ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

اکتوبر October 2025

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/30 روپے

www.shibliinternational.com

MEEQAAT
Tours & Travels
14 Days package
PACKAGE INCLUDES
Saudi Airlines Direct Visa
90 Days Umrah Visa
Star Hotels In Makkah Madinah
Hyderabadi Hygenic Food
A/C Luxury Bus Transportation
Ziyarath Of Holy Places With Guide
COMPLEMENTARY
Laundry Services
Luggage Bag
Shoulder Bag
Slipper Bag
Umrah guide book
ID Card,Tawaf Tasbih
05 Litres Zam Zam
MEEQAAT EXCLUSIVE
1st Umrah With Muallim from HYD
2nd Umrah from Masjid e Jurana
3rd Umrah from Taif Meeqat
4th Umrah from Sulah Hudaybiyyah
Taif City & Badar Ziyarath
Makkah Museum
FLIGHT
السعودية
SAUDIA
ROUTE
HYD-JED-HYD
DEPARTURES ARRIVALS SEATS
04-AUG-2025 18-AUG-2025 AVAILABLE
10-AUG-2025 24-AUG-2025 AVAILABLE
25-AUG-2025 08-SEP-2025 AVAILABLE
BEST PRICE
SARWAT UL MANSIA
MAKKAH HOTEL/SIMILAR
DIYAR AL HABIB
MADINAH HOTEL/SIMILAR
MK SQUARE,AZAMPURA,CHADERGHAT,HYDERABAD,TELANGANA,500036,INDIA
M ANAS QASMI
9848698952
OFFICE NO.
7675934738
M ILYAS NADVI
9000651571
meeqat-tours-and-travels

MEEQAAT
MTT
TOURS & TRAVELS
HAJJ & UMRAH SERVICES
MEEQAAT
TOURS & TRAVELS
BEST SERVICE
BEST PRICE!
UMRAH PACKAGES
Flight Ticket (Direct Flights)
Umrah Visa
Accommodation @ Makkah 300 Mtr
Accommodation @ Madinah - 200 Meters
Daily- Hyderabadi Hygienic Food
Transportation In A/C Coach
Zam Zam (05 Litres) At Airport
Laundry Services
Shoulder Bag & Id Card
Booking Of Appointment @ Riyaz Ul Janna
Departures
07-SEP-2025
13-SEP-2025
17-SEP-2025
24-SEP-2025
BOOK NOW
M ANAS QASMI
9849698952
OFFICE NUM
7675934738
M ILYAS NADVI
9000651571
MK Square, Azampura, Chaderghat, Hyderabad, Telangana 500036, Hyderabad, India, Telangana

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 92 شمارہ: Vol: 8 جلد: Oct 2025 اکتوبر

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ڈاکٹر بشیر النساء

قیمت فی شمارہ:	30/-
سالانہ:	360/-
رجسٹرڈ ڈاک:	450/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ پروفیسر صدیقی محمد محمود

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی۔ مفتی محمد فاروق قاسمی

مولانا ارشاد الحق مدنی۔ ڈاکٹر نادر المسدوسی

الحاج سید عظمت اللہ بیابانی۔ مولانا محمد مساعد ہلال احیائی

اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو۔ ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فریدہ تبسم۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد

مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا ڈاکٹر احمد نور عینی

تشکیل انور رزاقی۔ محسن خان۔ قاری زاہد ہریانوی

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرۃ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	فتنۂ قادیانی (قرآن وسنت کی روشنی میں)	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	نعت پاک	ڈاکٹر نادر المسدوسی	۹
۵	بداخلاقی اعمال کو برباد کردیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے	پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۰
۶	اُجلا دھواں	سردار سلیم	۱۲
۷	مولانا آزاد کا تعلیمی فلسفہ	ڈاکٹر تبسم آراء	۱۳
۸	اپنی غلطیوں سے سیکھیں	مولانا مفتی محمد اعظم ندوی	۱۵
۹	غزل	مظفر شہ میری	۱۷
۱۰	وزیر خارجہ کی تشریف آوری کا آنکھوں دیکھا حال	سید فضیل احمد ناصری	۱۸
۱۱	غزل	اقبال درد	۲۲
۱۲	17/ ستمبر... یوم سقوطِ حیدرآباد یادیں آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں	احمد نور عینی	۲۳
۱۳	ساغر اعظمی کی غزل	ساغر اعظمی	۲۴
۱۴	آتشبازی: سناتن روایت یا مغل عطیہ؟	ایم۔یو۔صدیقی	۲۵
۱۵	غزل	یاسین ہابیل	۲۶
۱۶	ایک چھوٹی مہم	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۷
۱۷	والد محترم	سید ظفر بیابانی	۲۸
۱۸	آہ ایک قیمتی موتی جانے کہاں گم ہوگیا	سیدہ سمیر بنت ڈاکٹر اجتبا ندوی	۲۹
۱۹	ناجائز عشق ومحبت کی پرواز اور ہمارا دیوالیہ۔۔۔؟؟!	ناطق لکھنوی	۳۳
۲۰	حمدیہ ھائیکو	علی شاہد دلکش	۳۴
۲۱	”اولاد“ کے لیے ”سخت محنت“ ہی ”ماں باپ کی عظمت“ ”کا سبب“	ایس۔ایم۔عارف حسین	۳۵
۲۲	الحاج حافظ پیر شبیر احمدؒ کی وفات حسرت آیات پر جمعیۃ علماء ہند کا تعزیتی پیغام	مولانا محمود اسعد مدنی	۳۷
۲۳	گورنمنٹ ڈگری کالج حسینی علم میں یک روزہ قومی ورک شاپ کا کامیاب انعقاد	ڈاکٹر عبدالقدوس	۳۸
۲۴	ہر طالب علم کو الصادق الامین ہونا چاہیے	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۴۰

ماہنامہ ”صدائے شبلی“ کے خصوصی معاونین

جناب ابوسفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی

جناب محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھراپردیش

الحاج سید عظمت اللہ بیابانی، وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

مولانا منصور احمد قاسمی، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد زکریا انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر شہباز احمد، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا محمد عبدالقادر سعود، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمر الدین، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم، صدر مسجد اشرف کریم گلشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

اکتوبر شیشۂ ذہن پر 2 اکتوبر گاندھی جینتی کی تعطیل اور پھر گاندھی جی کی مکمل تصویر اور حیات کے پہلو گردش کرتے ہیں، گاندھی جی نے اپنے افکار و خیالات کے ذریعہ جو اس ملک کے لیے آزادی ہو یا آبادی کے لیے قربانیاں دی ہیں وہ انمٹ نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں، گاندھی جی نے محبت ،اخوت، مساوات، کمزوروں، معذوروں کو اوپر اٹھانا، ملک، قوم، ملت، انسانیت کے تعلق سے جو باتیں کہیں یا جن کا عملی نمونہ پیش کیا ہے وہ ہر زمانے میں ہمارے ملک کے باشندوں کے لیے مشعل راہ ہیں، یہ ملک گاندھی جی ہی کے نظریات پر مختلف مذاہب، رنگ، تہذیب وتمدن میں عدل کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے، اس نظریے کے فروغ کو اس ملک میں زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے؛ تاکہ ہمارا ملک امن کا گہوارہ بن جائے اور مستحکم ومضبوط ہوجائے ،لیکن ابھی گذشتہ لوگوں نے حضورﷺ سے بے انتہا محبت کا اظہار کیا تو انھیں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا اور اُتر پردیش کی حکومت نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ پیغمبرﷺ کا نام لینا بھی مجرم ہے؛ حالانکہ ہمارے ملک کے دستور میں مذہب کے ماننے والے کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔

17 اکتوبر کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خان کے نام سے علیگ برادری اور ذی علم طبقہ سر سید ڈے مناتا ہے، اس میں سر سید احمد خان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور انہوں نے جو قوم وملک ملت کے لیے تعلیمی، صحافتی، سماجی خدمات کی ہے اس کے گوشوں کو عام کیا جاتا ہے اور اس میں یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ سر سید احمد خان کے مشن ہی میں ہماری قوم کی کامیابی مضمر ہے، اتنی تو بات طے ہے کہ عصری، مغربی تعلیم کی وسعت فکر سر سید کی دین ہے جو آج ہمارے معاشرے میں قریہ قریہ، بستی بستی، شہر وغیرہ میں دکھائی دیتی ہے۔ اللہ رب العزت سر سید احمد خان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے آمین۔

ماہِ اکتوبر کی 21 تاریخ کو ملک وملت کی اہم شخصیت مولانا حافظ پیر شبیر صاحب جمعیۃ علماء ہند کے رکن تلنگانہ وآندھرا کے صدر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، حافظ صاحب نے سنِ شعور ہی سے اپنے آپ کو ملک وملت سے جوڑے رکھا، علماء کی قدر اور لوگوں کی مدد کرنا، حوصلہ دینا، فکر مند رہنا ان کا خاص وصف تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان، فرزندان، متعلقین، محبین کو صبر جمیل دے، آمین ثم آمین۔

حافظ صاحب کی ملکی، ملّی، تعلیمی، سماجی، سیاسی، صحافی خدمات کو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ خراج عقیدت پیش کرتا ہے، اللہ اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور اس امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بہ غرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انھوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا "دعوتِ ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہیے" چنانچہ کھانا آیا، لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہؓ کو ملی تو انھوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیئے، لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے، یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔

ام حبیبہؓ نے ۴۴ھ ہجری میں وفات پائی، اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دے دی، تو ابورہم بن عبد العزیٰ نے نکاح کرلیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہؐ کے نکاح میں آئیں، نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انھوں نے ایجاب وقبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی اور ان ہی نے نکاح پڑھایا۔

وفات

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انھوں نے انتقال بھی کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا، صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، بہ ادب آہستہ لے چلو۔

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انھوں نے ۵۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۳۴-۳۳۵)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

فتنۂ قادیانی

قرآن وسنت کی روشنی میں

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ" (بقرہ:۱۱۵) ''اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں جب بھی تم چاہو، تمہارا رخ کسی بھی سمت ہوا اپنے رب سے عرض کرنا چاہو تو وہ تمہارے حال پر متوجہ ہوگا، بے شک اللہ بڑی وسعت وعلم والا ہے'' بگڑے ہوئے دین میں رسومات کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔تحویل قبلہ پر شدید ترین مخالفت کی جانے لگی تو فرمایا گیا کہ مشرق ومغرب کی طرف منہ کر لینا کوئی اصلی وحقیقی نیکی نہیں۔مشرق کی بجائے مغرب کی طرف منہ کر لینے سے اعمال برباد نہیں ہوتے، کیونکہ مشرق ومغرب تو اللہ ہی کے ہیں۔سب سے اہم چیز اللہ کے حکم کی تعمیل کر کے اللہ سے تعلق پیدا کرنا ہے۔خط کشیدہ لفظ ''تولوا جمع کا صیغہ ہے جو غلام احمد صاحب کے جھوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر اپنے فعل وعمل اور اعلان نبوت میں سچے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

(۱۴) مرزا غلام احمد صاحب اپنے دعویٰ نبوت میں قطعی جھوٹے تھے کیونکہ ان کو اللہ کی طرف سے نبی نہیں بنایا گیا بلکہ شیطانی جذبہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ''میں اس سے بہتر ہوں کے تحت اپنے آپ کو نبی بنالیا۔

(۱۵) اللہ کے تمام پیغمبر اہل باطل کے خلاف فکری و لسانی جہاد کئے اور ضرورت پڑنے مجبوراً قتال بھی کئے اور یہی تعلیم اپنی امتوں کو دیتے رہے۔چنانچہ جہاد کو دین اسلام میں سب سے بڑی عبادت قرار دیا گیا ہے۔

۱۵) مرزا صاحب نے اہل باطل بالخصوص حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کے حکم الٰہی مجبوراً قتال بھی کئے اور یہی تعلیم اپنی امتوں کو منسوخ کر کے جہاد کرنے کو حرام قرار کو دے دیا ہے۔چنانچہ ان کی بیعت کے شرائط میں ایک اہم وبنیادی شرط ترک جہاد ہے۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو بھی نبی بنایا تو اس کی طرف یا تو راست وحی فرمایا یا پردہ کے پیچھے سے خطاب فرمایا یا فرشتہ کے ذریعہ وحی بھیجا (شوریٰ ۵۲)۔

۱۶) مرزا صاحب نے کثرت مکالمہ اور مخاطبت الٰہی کا نام نبوت رکھ لیا حالانکہ بہت سے دینی رہنماؤں نے بھی اپنے ملہم ہونے اور اللہ سے بات کرنے کی بات کہی ہے لیکن اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نبی ﷺ کے بعد ہر دعویدار نبوت کو جھوٹا ہی قرار دیا۔ اس لحاظ سے بھی مرزا صاحب اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہیں۔

(۱۷) اللہ کے جس پیغمبر پر بھی وحی الٰہی نازل (ہوتی تھی تو پیغمبر اسی وحی کو عوام کے سامنے پیش کر کے دعوت دیتے تھے۔

۱۷) مرزا صاحب انبیاء علیم اسلام کے طریقے کے خلاف عوام کے سامنے قرآنی آیات سے اپنی من مانی تفسیر کے ذریعے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اگر واقعی وہ نبی ہوتے تو ان پر نازل شدہ وحی کو پیش کرتے۔ اس لحاظ سے بھی دعویٰ نبوت جھوٹا ہے۔

(۱۸) اللہ کے تمام پیغمبر اللہ کی وحی کو عوام کے سامنے پیش کرتے تھے۔

(۱۸) مرزا صاحب اپنے پر نازل شدہ وحی جس کا نام کتاب المبین، تذکرہ رکھ لیا گیا ہے عوام کے سامنے پیش نہیں کیا بلکہ پوشیدہ رکھا، جو ان کی فریب کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۱۹) اللہ کے نبی کی اُمت میں نبی کی وفات کے فوری بعد کوئی گروہ یا جماعت ایسی پیدا نہیں ہوئی جو اپنے نبی ہی کی نبوت کا انکار کرے۔

(۱۹) قادیانیوں میں پانچ بڑے فرقے ہیں۔ احمدی لاہوری دیندار حقیقت پسند تما پوری قادیانی۔ صرف قادیانی فرقہ ہی مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے۔ دوسرے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

(۲۰) اللہ کے ہر پیغمبر نے انسانوں کو رب کے بندے بننے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ نبی کو بار بار داعیا الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) کہا گیا۔ نوٹ ۱۱

(۲۰) مرزا غلام احمد صاحب کی پوری تعلیمات صرف اپنی شخصیت کے اطراف گھومتی ہے جو ان کے جھوٹے ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

نوٹ ۱۱: مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِن كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الكتب وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ. وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۷۹،۸۰) ”کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب وحکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ رب کے سچے بندے بنو، جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا بنیادی تقاضہ ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو، وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو اور پیغمبروں کو اپنا حاجت روا مانو، کیا ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جبکہ تم اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہو“

(۲۱) مریم سلیم کی پیدائش عام قانون طبعی کے تحت ہوئی ہے، جس کو آل عمران ۵۳ تا ۷۳ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲۱) مرزا صاحب خود مریم بن جاتے ہیں۔ نوٹ ۱۲

نوٹ ۱۲: سوچو کہ خدا جانتا تھا کہ اس نکتہ پر علم نہ ہونے سے یہ دلیل ضعیف ہو جائے گی۔ اس لئے گو اس نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا پھر جیسا کہ براہین احمد یہ سے ظاہر ہے کہ دو سال تک صفت مریمیؑ میں نے پرورش پائی اور پردے میں نشونما پاتا رہا“ (کشتی نوح صفحہ ۴۸)

(۲۲) عیسی سا یت کی پیدائش کا واقعہ آل عمران ۵۴ تا ۵۱اور مریم ۱۶ تا ۶۳ میں بیان کیا ہے۔ جو قانون الٰہی کے بجائے قدرت الٰہی کے تحت ہے۔

(۲۲) مرزا صاحب کی عیسی ابن مریم بننے کی تفصیل خود ان کی زبانی ملاحظہ ہو۔ نوٹ ۱۳

نوٹ ۱۳: مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینوں کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ الہام جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم میں درج ہے مجھے مریم سے عیسی بنایا گیا۔ بس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت اس سر خفی کی مجھے خبر نہ دی'' (کشتی نوح صفحہ ۴۸)

(۲۳) قیامت کے قریب عیسٰی دوبارہ کسی کے بطن سے پیدا نہیں ہوں گے بلکہ آسمان سے نازل ہوں گے، جس کا ذکر آل عمران ۴۶، النساء ۱۵۹، الزخرف ۶۱ میں ہے۔

(۲۳) مرزا صاحب اپنے آپ کو عیسی ابن مریم ثابت کرنے کے لئے کبھی مرد سے عورت اور کبھی عورت سے مرد بننے کی خلابازیاں استعارہ کے رنگ میں لگاتے ہیں، جس سے نہ پیدا ہونے کی بات ثابت ہوتی ہے اور نہ نازل ہونے کی بات ثابت ہوتی ہے۔

(۲۴) اللہ کے تمام پیغمبر بگاڑ کی اصلاح کے لئے مبعوث کئے گئے۔

(۲۴) مرزا صاحب اپنے جھوٹے دعوی نبوت کے ذریعے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دوزخ کا ایندھن بنائے ہیں۔

(فتنۂ قادیانی - قرآن وسنت کی روشنی میں، ص ۲۱-۲۵)

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔ صدر بزم علم وادب، حیدرآباد

نعت پاک

خشک موسم میں بھی ساون کی گھٹا چھائی ہے
ایسا لگتا ہے مدینے سے ہوا آئی ہے

ویسے بیمار سا لگتا ہے تخیل میرا
آپ کے نام سے لہجے میں توانائی ہے

میرے اشکوں نے لکھا نامِ محمدؐ بے شک
میری آنکھوں میں سمندر کی سی گہرائی ہے

رنگ کیا نسل کیا ارشادِ نبیؐ ہے یارو
وہ کہیں کا ہو مسلمان مرا بھائی ہے

صرف دیکھئے محمدؐ کے سوا کچھ بھی نہیں
میں نے یہ بات ہر تقریر میں دہرائی ہے

میرے سرکارؐ بلائیں گے مدینہ پھر سے
میری آنکھوں میں کرن نور کی لہرائی ہے

بیٹھ جاتا ہے مُصلے پہ وضو سے نادرؔ
تب کہیں نعت کے کہنے کی ادا پائی ہے

پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ M.A., M.Com., Ph.D (Osm)

بداخلاقی اعمال کو برباد کردیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے

انسان سے ایسے افعال کا صدور ہو جو عقلی اور شرعی طور پر ناپسند ہو اسے بداخلاقی کہتے ہیں۔ بداخلاقی سے انسان کو دنیاوی و اخروی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایمان کی کمزوری، شریعت مصطفیؐ سے دوری، اچھی تربیت سے محرومی اور عذاب الٰہی سے بے خوفی، بے ہودہ مذاق کرنے کی عادت، دنیا کی حرص و جاہت وہ قبیح اسباب ہیں جو انسان کو بداخلاق بنادیتے ہیں۔ حقیقی مومن بداخلاق اس لیے نہیں ہوسکتا چونکہ وہ نہ صرف اعمال صالحہ بجالانے میں مسابقت و مسارعت کا جذبہ دکھاتا ہے بلکہ اعمال صالحہ پر استقامت و مداومت کو اپنے لیے حرز جان بنالیتا ہے۔ حقیقی مومن اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا ہے کہ بداخلاقی اعمال صالحہ کو ایسے ہی برباد کردیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے۔ موجودہ دور کے مسلم معاشرے میں قوت برداشت کی کمی کے باعث اختلافات اس قدر شدت اختیار کرجارہے ہیں کہ کسی بھی اعتراض کا تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے جواب دینے کے بجائے فحش گوئی سے کام لیا جارہا ہے جبکہ فحش بکنا نفاق کی ایک شاخ ہے۔ دین اسلام اعتقاد کو درست کرنے، مالک حقیقی کی بندگی کا سلیقہ سکھانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو جامع اخلاقی پروگرام بھی عطا کرتا ہے جس پر صحیح، سالم اور صالح معاشرے کا دار و مدار ہے اسی اخلاقی تعلیمات کے تحت اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تمام نامعقول اور ناپسندیدہ کاموں سے منع فرماتا ہے۔ آج اگر مسلم معاشرے میں خرابیوں کا سیلاب آرہا ہے تو اس کی ایک اہم وجہ فحش گوئی اور بدکلامی بھی ہے۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ فرماتے ہیں کہ فحش بکنے والا قیامت کے دن کتے کی شکل میں یا کتے کے قالب میں آئے گا۔ حقیقی مومن اس قدر نیک فطرت اور اخلاق عالیہ کا مالک ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف فحش گوئی سے نفرت کرتا ہے بلکہ بیہودہ باتوں کا سننا بھی اس کی فطرت پر اس قدر گراں گزرتا ہے کہ وہ فحش گوئی کرنے والے کی لغویات، اذیت ناک و جملہ ناشائستہ باتوں، رکیک حرکتوں اور طعن و تشنیع کا جواب دینے کے بجائے بڑی متانت سے سلام متارکت و مفارقت کہتے ہوئے اس سے فوری کنارہ کشی اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ام المومنین بی بی عائشہؓ سے جب اخلاق مصطفیؐ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؓ فرماتی ہیں کہ مرقع ہر خوبی و زیبائی فحش گو، بدکلامی کرنے والے اور بازار میں چیخنے والے نہیں تھے، آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ عفو و درگزر فرمادیتے تھے۔ انسانوں کے درمیان طبائع اور افکار و خیالات کی بنیاد پر اختلاف کا پایا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ جس طرح اختلاف لیل و نہار سے انسان کی زندگی میں بہار ہے اسی طرح انسان کے افکار و خیالات میں اختلاف کا ہونا بھی انسان کی مادی و روحانی ترقی کے لیے از حد ضروری ہے۔ لیکن جس اختلاف کی بنیاد محض جہالت، نفس پرستی، تعصب اور دنیاوی مفادات پر ہو دین اسلام اس کی شدید مذمت کرتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے قوت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے اختلافات کا سد باب کرنے کے لیے اپنی اپنی سطح پر کوشش کریں ورنہ بروز قیامت ہم سے مفاد پرستی پر مبنی ہماری خاموشی کے بارے میں

سوال کیا جائے گا۔ دنیا میں کوئی موضوع یا عنوان ایسا نہیں ہے جس میں اختلاف نہ ہو سوائے موت کے۔ ہر شخص اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ اس دار فانی کو چھوڑ کر ایک دن ہر کسی کو جانا ہے۔ ہماری زندگی کی دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ ہم کس وقت انتقال کریں گے اس حقیقت سے بھی کوئی واقف نہیں ہے البتہ قرآن مجید کے مطابق جب موت کا وقت آتا ہے تو نہ اس میں رتی برابر کمی وبیشی ہونے والی ہے اور نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت موت کے مرحلے کو ٹال سکتی ہے۔ موت سے متعلق یہ حقائق ہی کافی ہیں کہ انسان نیکی کا دامن تھام لے اور برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ لیکن قوتِ شہوانی، قوتِ غضبی اور قوتِ وہمی شیطانی کی شکار مسلمانوں کی اکثریت ان حقائق کو فراموش کر کے ایسی زندگی گزارنے کو ترجیح دے رہے ہیں جو خود ان کی ذات، گھر والوں، ملک اور قوم کے لیے باعث شرم، ندامت و پشیمانی کا سبب بنتی ہے۔ جب سے مسلمانوں میں حق کی تائید اور باطل کی مخالفت کرنے کے جذبات میں کمی واقع ہوئی ہے مسلم معاشرے میں بدتمیزی، بدتہذیبی، بدمزاجی اور بداخلاقی تیزی سے پھیلی ہے۔ آئے دن سوشیل میڈیا پر ایسے بہت ساری ویڈیوز اپ لوڈ ہوتے رہتے ہیں جس میں مسلمان مخلوق کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خالق کی رضا کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف انتہائی جرات کے ساتھ فحش گوئی کا مظاہرہ کررہے ہیں، ایک دوسرے کی توہین کررہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف مغلظات بک رہے ہیں، ایک دوسرے کی عزتوں سے کھلواڑ کررہے ہیں، دنیا کے حقیر ترین مفادات کے حصول کے لیے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بداخلاقی کے تمام حدوں کو پار کررہے ہیں۔ جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ بداخلاق آدمی جنت میں نہ جائے گا۔ حضرت سیدنا فضیل بن عیاضؒ سے مروی ہے کہ بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا گیا: ایک عورت دن میں روزہ رکھتی اور رات میں قیام کرتی ہے لیکن وہ بداخلاق ہے، اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے وہ جہنمیوں میں سے ہے۔ اس کے برخلاف رسول رحمتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بے شک مومن حسن اخلاق کی بدولت روزے رکھنے اور قیام کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ دیگر اقدار اور نفلی عبادات پر حسن اخلاق کو فضیلت حاصل ہونے کے باوجود موجودہ دور میں مسلمانوں کی اکثریت کے اخلاق بگڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمارا ایمان اس قدر کمزور ہو چکا ہے ہم نہ صرف فحش گوئی کا مظاہرہ کررہے ہیں بلکہ ویڈیو بنا کر سوشیل میڈیا پر اپ لوڈ بھی کررہے ہیں۔ اگر ان افعال قبیحہ کا ارتکاب غیر مسلم حضرات کرتے تو ممکن ہے کہ اسے نظر انداز کردیا جائے چونکہ وہ آسمانی ہدایات سے محروم ہیں لیکن ان افعال قبیحہ کا ارتکاب اُس قوم کے افراد کررہے ہیں جن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالی انسان کے ہر فعل بلکہ نیت سے بھی واقف ہے، جن کو اس بات پر ناز ہے کہ ہمارے نبی کی بعثت اخلاق کے اعلی معیارات کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے، جن کو یہ تعلیم دی گئی کہ بروز قیامت مومن کے میزان میں سب سے زیادہ وزنی چیز حسنِ اخلاق ہوگا۔ جس کے پاس قرآن جیسا آسمانی صحیفہ موجود ہے جو پوری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے جذبات و احساسات کی وابستگی کو اٹوٹ بنائے رکھنے اور بااعتماد لوگوں کی فہرست میں شامل ہونے کے لیے نبی رحمتؐ کی تعلیمات و ارشادات کے بالکل برعکس طرز زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہر سربراہ کو اپنے ماتحتین کی ان غیر اسلامی اور غیر انسانی حرکات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی اور انہیں بروقت متنبہ کرنا ہوگا ورنہ ان کی بداعمالیوں کا وبال سربراہ پر آئے گا۔ ہماری انہی بداعمالیوں کی

وجہ سے اسلام اور مسلمان بدنام ہورہے ہیں جس کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔ پھر ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہم دین اسلام کے لیے ہر چیز قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہیں لیکن ہماری اکثریت میں اتنی ہمت و جرات نہیں ہے کہ ہم حکمت و دانائی، احسن طریقہ اور انتہائی شائستگی کے ساتھ واہیات گفتگو پر مبنی ایسی ویڈیوز کے خلاف شدت کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کریں۔ بحیثیت مسلم ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسے ویڈیوز کی سخت سے مذمت کریں لیکن ہم ایسی ویڈیوز سے لطف اندوز ہورہے ہیں، ان کو آگے بڑھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ رہے ہیں، اپنی خوشنودی کا اظہار بھی کررہے ہیں اور بزعم باطل یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کوئی اچھا کام کررہے ہیں۔ ہمیں اس غلطی کا اس وقت احساس ہوگا جب ہمارے اعمال کا حساب کتاب ہورہا ہوگا۔ معصوم فلسطینیوں پر اسرائیل کے ظلم و بربریت کے خلاف ہم اس کے مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کی مہم چلاسکتے ہیں جو بحیثیت مسلمان ہم کو کرنا بھی چاہیے، وطن عزیز ہندوستان میں ہمارے مذہبی اور آئینی حقوق پر حملے کرنے والے وقف ترمیمی بل کے خلاف ہم ملک گیر احتجاج کرسکتے ہیں، سڑکوں پر اتر سکتے ہیں، لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے گاؤں گاؤں قریہ قریہ اور شہر شہر اجلاس منعقد کرکرسکتے ہیں جو بحیثیت ہندوستانی ہمارا دستوری حق بھی ہے لیکن جب کھلے عام خود مسلمان حیا سوز اور فحش گوئی پر مبنی ویڈیوز سوشیل میڈیا پر اپ لوٹ کرتے ہیں تو کیا ہمارا اخلاقی و مذہبی فریضہ نہیں ہے کہ ہم ایسی غیر اخلاقی اور غیر اسلامی ویڈیوز کی بھی نہ صرف متحدہ طور پر مذمت کریں بلکہ ایسے لوگوں کی اس انداز سے اصلاح کرنے کی کوشش کریں کہ افعال قبیحہ کے مرتکبین کی دل آزاری بھی نہ ہو اور ان کی اصلاح بھی ہوجائے۔ آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ ہمیں زندگی کا ہر لمحہ تصور بندگی کے ساتھ گزارنے کی توفیق رفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ ویسین۔

☆☆☆

سردار سلیم۔ حیدرآباد

اُجلا دھواں

ہمارے گھر میں چھوٹا سا کنواں تھا
کہ جس میں رقص کرتا آسماں تھا

اُڑے تندور سے روٹی کی خوشبو
سنہری آنچ تھی اجلا دھواں تھا

مہک اٹھتی تھی ہم کو دھوپ چھو کر
کہ سر پر موگرے کا سائباں تھا

چہکتے تھے کہیں گیتوں کے پنچھی
کہیں غزلوں کا لہجہ گل فشاں تھا

تھے سب انجان اپنی خوبیوں سے
ہرن بھی مشک سے واقف کہاں تھا

ٹھہرنے کی نہ تھی فرصت سے کو
یہ دریا اپنی مستی میں رواں تھا

سلیم اپنے نشاں تھے ہر جہت میں
جو رت بدلی تو سب کچھ بے نشاں تھا

ڈاکٹر تبسم آراء۔حیدرآباد

مولانا آزاد کا تعلیمی فلسفہ

افراد اور اقوام کی زندگی میں ماہر تعلیم و تربیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ افراد کی ساری زندگی کی عمارت اسی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور اقوام تعلیمی فلسفہ کے ذریعہ ہی اپنا نصب العین، مقاصد حیات، تہذیب و تمدن اور اخلاق کا اظہار کرتی ہیں۔

عظیم رہنما و دانشور، امام الہند و آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کا تعلیمی فلسفہ گہرے فکری اصولوں اور انسانی ترقی کے اعلیٰ مقاصد پر مبنی تھا۔ مولانا نے بہ حیثیت ایک ماہر تعلیم اور مجاہد آزادی تعلیم یافتہ ہندوستان کی بنیاد رکھی۔ ان کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں: مولانا آزاد مجاہد آزادی تو تھے ہی اور عالم دین بھی تھے۔ انھیں قرآن، علم الکلام، خطابت، علم الحدیث پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ آزاد ایسے معلم تھے جو تیرہ برس کی عمر سے ہی اپنے خواب کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے مذہبی اور فلسفیانہ نظر، سیرت کی بلندی، وقار، سیاسی سوجھ بوجھ، حق پرستی، انصاف پسندی، خدمت اور ایثار، انسان دوستی، بلند حوصلہ کے ساتھ اپنی زندگی کا شاندار جہاد شروع کیا۔ جس کا مقصد معاشرے میں تعلیمی شعور کو اجاگر کرنا اور بہتر تربیت، بلند نظری، اور ان میں دیانت داری کے چراغ روشن کرنا، جس سے بہتر سماج کی تشکیل ہو۔

مولانا آزاد نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں تعلیمی فلسفوں پر زور دیا اور جیل میں رہ کر بھی خطوط نگاری میں مصروف رہے۔ ان کے خطوط کا مجموعہ (غبار خاطر) جو مولانا کی شخصیت کا آئینہ ہے جس کو پڑھنے سے ان کی شخصیت کی انفرادیت اور فکر و فلسفہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے خطوط سے آپ بیتی اور جگ بیتی، انشاء پردازی، حیات و کائنات کے بارے میں فلسفیانہ باتیں اور ایشیا کے مفکروں کے خیالات نظر آتے ہیں۔ مشہور شاعر حسرت موہانی مولانا آزاد کی نثر کے متعلق یہ شعر کہتے ہیں۔

جب سے دیکھی ابو الکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزہ نہ رہا

تعلیمی فلسفہ

مولانا آزاد نے وزارت تعلیم سنبھالنے کے بعد ۱۸ فروری ۱۹۴۸ء کی پریس کانفرنس Press Conference میں تعلیم کے تعلق سے اپنے بنیادی نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ صحیح طور پر آزادی اور انسانی قدروں سے بھرپور تعلیم ہی لوگوں میں شعور بیدار کر سکتے ہیں اور انہیں ترقی کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ بقول شاعر الطاف حسین حالیؔ:

تعلیم ضروری ہے ترقی کے لئے
ہے زیور تہذیب ہر اک مرد و زن کے لئے

مولانا کے تعلیمی فلسفوں کی بنیاد چار امور پر ہے۔ ذہنی بیداری، اتحاد و ترقی، رواداری اور عالمی اخوت۔ تعلیمی معاملات میں انھوں نے نہایت ہی دانش مندانہ اقدام اٹھائے۔ ان کا خیال تھا کہ مشرق و مغرب کی مشترکہ آگاہی سے ہی صحیح علم حاصل ہوتا ہے اور ان نظریات سے استفادہ کیا جائے تاکہ انسان اس کا صحیح استعمال کرنا سیکھ جائے۔

آزاد نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ''تعلیم کا مقصد روزی کمانا نہیں بلکہ انسان کی ذہنی، روحانی اور اخلاقی شخصیت کو مکمل کرنا ہے۔ تعلیم انسان کے اندر موجود خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔'' [1]

(مولانا آزاد کی تقریر۔ انڈین نیشنل کانگریس 1946ء)

ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا آزاد اردو، عربی اور فارسی کے ماہر تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے انگریزی کو ملک سے جلاوطن نہیں کیا بلکہ نظام تعلیم میں اس کو قائم رکھا۔

تعلیمی اداروں کی تشکیل:

مولانا آزاد نے اپنے دور میں کئی تعلیمی ادارے قائم کئے۔ مثلاً ٹیکنیکل ایجوکیشن Technical Education کو فروغ دیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن University grants commission تشکیل دیا۔ ساہتیہ اکیڈیمی Sahitya Academy کا قیام عمل میں لائے۔ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی Institute of Technology قائم کئے۔

سیکولر اور مساوی تقسیم:

مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ''ہندوستان کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو تمام طبقات کے لئے یکساں ہو اور جس میں کسی قسم کی مذہبی یا نسلی تفریق نہ ہو۔'' [3]

(آزاد ہند کے تعلیمی اصول۔ 1947)

سیکولر سے مراد غیر جانبدارانہ طریقہ سے بلا لحاظ مذہب و ملت رنگ و نسل سب کو مساوی مساوی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔

تعلیم برائے خواتین:

مولانا آزاد کے نظریہ میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس قوم کی خواتین کو تعلیم یافتہ نہ بنایا جائے۔ گویا مولانا نے خواتین کی تعلیم کو خاص اہمیت دی اور ان کے لئے مساوی تعلیمی مواقع فراہم کرنے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ مولانا آزاد کا تعلیمی فلسفہ آج بھی تعلیمی پالیسی سازوں کے لئے رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔ اور ان کی بصیرت ہندوستان کے تعلیمی نظام کی بنیادوں میں جھلکتی ہے۔ جگر مرادآبادی کا شعر ملاحظہ ہو۔

علم انسان کی میراث ہے' دنیا میں جگر
ورنہ یہ خاک کے پتلے تو کہیں کے نہ رہے

بہر حال مولانا آزاد کا فلسفہ تعلیم اسلامی اقدار، جدید سائنسی ترقی، مساوات اور فلاحی تربیت پر مبنی تھا۔ وہ ایک ایسی تعلیمی پالیسی چاہتے تھے جو ہر فرد کو ترقی کے مساوی موقع دے۔ اور قوم کو علمی اور معاشی طور پر مستحکم بنائے۔

☆☆☆

مولانا مفتی محمد اعظم ندوی۔استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

اپنی غلطیوں سے سیکھیں

انسان، ازل سے اپنے وجود کے سوال میں گم رہا ہے—وہ کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ کہاں جا رہا ہے؟ اور اس راستے میں جو کچھ وہ کرتا ہے، اس میں سب سے نمایاں پہلو اس کی غلطی ہے، غلطی محض ایک واقعہ نہیں، یہ دراصل انسان کی بشریت کا بیان ہے؛ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ وہ جاننے کی جستجو میں ہے، اور ہر قدم جو وہ آگے بڑھاتا ہے، اس میں لغزش کا احتمال موجود ہے، مگر لغزش ہی وہ محرک ہے جو انسان کو شعور کی اگلی سیڑھی پر لے جاتی ہے، بشرطیکہ وہ آنکھیں بند نہ کرے، غلطی کو اگر صرف عملی ناکامی سمجھا جائے تو ہم اس کی معنویت سے محروم رہتے ہیں، غلطی دراصل ہمارے باطن کی پکار ہے، جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمارے علم، ادراک، نیت یا ارادے میں کوئی کمی رہ گئی ہے، یہ وہ شیشہ ہے جس میں ہمارا باطن ہمیں دکھائی دیتا ہے—بے نقاب، سادہ، اور اکثر شرمندہ۔ مگر اس شرمندگی میں ایک جمال بھی پوشیدہ ہے، کیونکہ یہی شرمندگی انسان کو اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کرتی ہے، جیسا کہ مشہور مصنف رائے ایچ ولیمز (پ:1958) نے لکھا ہے:

"Asmart man makes a mistake, learns from it, and never makes that mistake again"

(ایک تیز طرار آدمی ایک غلطی کرتا ہے، اس سے سیکھتا ہے، اور وہ غلطی دوبارہ نہیں کرتا)۔

لیکن جو بات اس نے آگے کہی وہ زیادہ قابل توجہ ہے:

"But a wise man finds a smart man and learns from him how to avoid the mistake altogether"

(لیکن ایک دانا شخص کسی سمجھدار آدمی کو تلاش کرتا ہے اور اس سے یہ سیکھتا ہے کہ اس غلطی سے کلی طور پر کس طرح بچا جائے)

یہ قول دراصل شعور کی مسلسل تطہیر کا نقشہ کھینچتا ہے اور کسی آئیڈیل کی تلاش کا درس دیتا ہے۔

علمِ نفسیات کے جدید مناہج، مثلاً MindTools جیسے ادارے سکھاتے ہیں کہ خود احتسابی (Self-Reflection) اور اعترافِ خطا، انسان کی شخصیت کو گمنامی اور غفلت سے نکال کر بیداری کی جانب لے جاتے ہیں، خود احتسابی پر مبنی ڈائری لکھنا "Reflective Journaling" ہو یا اپنی کارکردگی کا جائزہ "Self-Appraisal"، یہ دراصل وہ ذرائع ہیں جن سے انسان اپنے وجود کے اندر چھپی کمزوریوں کو دیکھ سکتا ہے، اور انہیں خاموشی سے بدل سکتا ہے، یہ عمل صرف بیرونی اصلاح کا نہیں، بلکہ ایک باطنی انکشاف (inner revelation) کا ہے—جہاں آدمی اپنی اصل کو جاننے لگتا ہے۔

اسلامی روایت میں خطا کا تصور نہایت گہرا اور انسان دوست ہے، قرآن کی زبان میں شیطان کی سرکشی اور آدم کی

تو یہ دونوں ایک ہی وقت میں موجود ہیں، ایک حکم عدولی پر بھی دلیر، دوسرا خطا پر بھی نادم، ان کے نتائج الگ ہیں— کیونکہ ایک نے انکار کیا، دوسرے نے اعتراف، نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ" (صحیح ابن ماجہ، حدیث نمبر: 3447)— گویا انسان ہونا خطا کار ہونا ہے، اور بہتر انسان وہ ہے جو اپنی خطا پر لوٹ آئے، یہ تعلیم دراصل وجودی بیداری کی وہ شکل ہے جہاں انسان اپنی کمزوری کو تسلیم کر کے ایک نئی اخلاقی بلندی پر پہنچتا ہے، کیا کبھی ہم نے سوچا کہ جو لوگ اپنے آپ سے لڑتے ہیں، وہی دنیا سے جیتتے ہیں؟ جو اپنی کمزوریوں کو پہچان لیتے ہیں، وہی دراصل طاقتور ہوتے ہیں؟ غلطی اس وقت خطرناک بنتی ہے جب ہم اسے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر جو شخص اپنی غلطی کو اظہارِ حق سمجھ کر قبول کرے، وہ نہ صرف اپنے اندر کی گرہیں کھولتا ہے، بلکہ دوسروں کے دل میں اپنی جگہ بناتا ہے، وہ شخصیت جو مسلسل خطاؤں سے سیکھتی ہے، وہ زندگی کے کینوس پر ایک تیز رفتار اور مسلسل ارتقائی سفر طے کر جاتی ہے۔

انسانی زندگی ایک متحرک متن ہے، جس میں ہر غلطی ایک حاشیہ ہے— کبھی سوالیہ، کبھی تنبیہی، اور کبھی توضیحی، ان حاشیوں کو نظر انداز کر دینا صرف ایک علمی خطا نہیں، بلکہ وجودی غفلت ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم غلطی کو دشمن نہ بنائیں، بلکہ استاد مانیں؛ کیونکہ وہی غلطی ہمیں خود سے ملاتی ہے، خود کو بدلنے کی ترغیب دیتی ہے، اور وجود کو ایک نئی جہت عطا کرتی ہے، یہی فلسفہ؟ زندگی ہے: گرنا حیات کی علامت ہے، اور سیکھ کر اٹھنا شعور کی۔

غلطی کے بارے میں ہماری عام فہم رائے یہ ہے کہ یہ ناکامی کی علامت ہے، لیکن دراصل یہ ہماری داخلی ساخت کا ایک ضروری جزو ہے، اگر ہم اس حقیقت کو مان لیں کہ خطا نہ صرف ایک حادثہ بلکہ ایک پیغام بھی ہے، تو یہ پیغام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں اور کہاں تک جانا باقی ہے، زندگی کا راستہ ایک ناہموار زمینی نقشہ ہے، اور اس پر چلنے والا ہر مسافر کبھی نہ کبھی ٹھوکر کھاتا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ اس ٹھوکر کو محض درد کا باعث سمجھے یا راستہ دکھانے والا اشارہ، کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر رک جاتے ہیں، اور کچھ اسی لمحے اپنے اندر ایک نئی آنکھ کھول لیتے ہیں— ایسی آنکھ جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ گہری اور دوررس نگاہ رکھتی ہے، یہ وہ کیفیت ہے جسے فلاسفۂ اخلاق "تجدیدِ ادراک" کہتے ہیں، یعنی اپنے شعور کو نئی تشکیل دینا، اس عمل میں غلطی محض ماضی کا واقعہ نہیں رہتی بلکہ مستقبل کا معمار بن جاتی ہے۔

ایک اہم مرحلہ وہ ہے جب انسان اپنے آپ سے بات کرنا سیکھتا ہے، یہ خاموش گفتگو اکثر دردناک ہوتی ہے، کیونکہ اس میں ہم اپنے چہرے سے وہ تمام نقاب اتار دیتے ہیں جو ہم نے دنیا اور خود اپنے لیے پہن رکھے ہوتے ہیں، یہی وہ مقام ہے جہاں "انکار" اور "اعتراف" کے دو دروازے کھلتے ہیں— ایک دروازہ ہمیں جمود اور فریب کی طرف لے جاتا ہے، اور دوسرا ہمیں تبدیلی اور ارتقا کی سمت، اس داخلی مکالمے کو اگر مسلسل جاری رکھا جائے تو یہ ہمیں اس جگہ لے جاتا ہے جہاں ہر فیصلہ ایک نئی اخلاقی بصیرت کے ساتھ کیا جاتا ہے، غلطی کے اعتراف میں ایک عجیب طرح کا سکون چھپا ہے، کیونکہ یہ ہمیں اپنے بارے میں وہ سچ سننے پر مجبور کرتا ہے جس سے ہم اکثر بھاگتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے بارہا اس اصول کو بیان کیا کہ انسان کو

اس کی کوتاہیوں سے جھنجھوڑا جائے تاکہ وہ جاگے اور پلٹ آئے: ''وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ'' (آل عمران:139) (کمزور نہ پڑو اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایمان والے ہو)

یہ آیت دراصل شکست یا غلطی کے بعد کی کیفیت کے بارے میں ہے، ایمان کا تقاضا یہ نہیں کہ انسان کبھی نہ گرے، بلکہ یہ کہ گرنے کے بعد خود کو اس یقین کے ساتھ اٹھائے کہ اس کے پاس اب بھی سب کچھ درست کرنے کا موقع ہے۔

غلطی کو صرف ایک بوجھ سمجھنے والے لوگ اپنے ماضی کو کچلتے ہیں، مگر جو اسے سرمایہ سمجھتے ہیں، وہ اپنے ماضی کو ایک بنیاد بنا لیتے ہیں، تاریخ میں بڑے مصلحین اور مفکرین کا مطالعہ کیجیے، آپ دیکھیں گے کہ ان کی زندگیوں میں بڑی تبدیلیاں اکثر کسی شدید خطا یا ناکامی کے بعد آئیں، وہ لمحہ ان کے لیے ایک موڑ ثابت ہوا، جہاں سے ان کا فکری اور اخلاقی سفر ایک نئی سمت میں شروع ہوا، غلطی کے ساتھ اصل امتحان یہ نہیں کہ ہم اسے پہچان لیں، بلکہ یہ کہ ہم اس کی روشنی میں ایک نیا فیصلہ کیسے کریں، بعض اوقات ہمیں اپنی زندگی کے نقشے میں کچھ راستے ہمیشہ کے لیے بند کرنے پڑتے ہیں، اور کچھ نئے راستے کھولنے ہوتے ہیں، یہ جرات کہ ہم اپنی عادتوں، تعلقات، یا حتیٰ کہ اپنے خوابوں تک پر نظرِ ثانی کریں — یہی وہ جرات ہے جو ایک شخص کو عام مسافر سے ایک باشعور راہرو بنا دیتی ہے۔

انسان کے لیے سب سے بڑی شکست یہ نہیں کہ وہ گرے، بلکہ یہ کہ وہ گرا رہ جائے، گرنے کا فن سیکھنا مشکل نہیں، اصل ہنر یہ ہے کہ ہم اٹھنے کا شعور حاصل کریں، غلطی کا اعتراف اور اس سے حاصل ہونے والی بصیرت کو اپنے آنے والے ہر قدم میں شامل کرنا وہ راز ہے جو زندگی کو صرف وقت کا بہاؤ نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے ایک بامعنی سفر بنا دیتا ہے۔

پروفیسر مظفر شہ میری

غزل

نشاط ہائے خرافات سے بغاوت کی
تمام عمر دلِ پاک کی حفاظت کی

نکل کے آنکھ سے پیچھے چلی گئی اُس کے
ہماری نگہ نے دیکھو یہ کیا شرارت کی

ہمیشہ لرزہ بر اندام تھے نمازوں میں
کبھی کبھی ہی تبسم بہ لب عبادت کی

کرم کیا جو نئے زخم ہی لگائے ہیں
پُرانے زخموں کو چھیڑا نہیں، عنایت کی

جو لوٹ آیا وہاں سے تو میں ہوا بیمار
میں ٹوٹ ٹوٹ گیا اُسکی جب عیادت کی

کہاں یہ وقت کہ شرما رہا ہوں سائل سے
کہاں وہ وقت کہ دو ہاتھ سے سخاوت کی

اگر چہ رقص میں دنیا رہی مگر ہم نے
خدا کا شکر ہے دیدار پر قناعت کی

ہمارے بیچ میں اک فاصلہ تھا، اچھا تھا
اُسے قریب سے دیکھا، بڑی حماقت کی

ذرا یہ سوچ جو تنکے فلک پہ قابض ہیں
فقط اُنہی سے مظفر نے کیوں حقارت کی

سید فضیل احمد ناصری۔آل سید شہاب الدین کبیر زاہدی سابق امام خانۂ کعبہ، ڈائریکٹر امام کعبہ اکیڈمی، دیوبند

وزیر خارجہ کی تشریف آوری کا آنکھوں دیکھا حال

پرسوں کی تاریخ یعنی 11 / اکتوبر 2025 ایک یادگار تاریخ بن گئی۔امارت اسلامیہ افغانستان کے وزیر خارجہ مولانا امیر خان متقی صاحب نہ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، بلکہ کئی لازوال نقوش ثبت بھی کر گئے۔ علما وطلبہ کی دیوانگی برسوں یاد رکھی جائے گی۔ان کا شوق زیارت دیدنی تھا۔ایک خوش گوار سماں دارالعلوم کے درودیوار سے ٹکرا رہا تھا۔ دل جذبات سے لبریز۔ دماغ فرطِ محبت سے معمور۔ متقی صاحب کی شخصیت سحر انگیز۔ استعداد گوناگوں۔ دراز قد۔ خوب صورت اور سیاہ گھنی داڑھی۔ بھنویں شمشیر و سناں۔ آنکھیں رعب دار اور مدہش۔ عالمانہ وجاہت۔ مجاہدانہ شوکت۔حلم وتحمل۔تدبیر وتدبران کے جلو میں۔مہمان مکرم کی ذات گرامی امتیازات وممیزات سے عبارت نظر آئی۔وہ ایک جانب عالم دین ہیں۔جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل۔ وہیں افغانستان کی نئی نویلی حکومت امارت اسلامیہ کے وزیر خارجہ بھی۔جب ان کی آمد کی خبر سوشل میڈیا میں نشر ہوئی تو یہ اس اعتبار سے حیرت انگیز تھی کہ وہ اس حکومت کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے تشریف لا رہے ہیں جو طالبان کے زیر انتظام چلتی ہے۔جی ہاں وہی طالبان، جو ایک عرصے تک پوری دنیا میں انتہائی مبغوض تھے۔روس اور امریکہ سے کشمکش کے بعد تو لفظ طالبان کا استعمال بھی شجر ممنوعہ بن چکا تھا۔کوئی بھی اس لفظ کا تلفظ کرتا تو اس کی جان پر بن آتی۔ بے درماں بلائیں اس کے گھر کا طواف کرتیں؛ لیکن امریکہ اور مغربی دنیا سے دہائیوں کی جنگ کے بعد منظر نامہ کچھ ایسا تبدیل ہوا کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔طالبانی مزاحمتوں سے تنگ آ کر امریکہ کے مسلط کردہ صدر ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ طالبان نے باقاعدہ عنان سلطنت ہاتھ میں لے لی۔ اگست کا مہینہ تھا اور تاریخ تھی 15 /۔اس کے بعد پھر یہ نام اس طرح زیر گردش رہا کہ تجزیہ نگار اور مبصرین حیران تھے کہ اس نام کا استعمال کیا جائے یا نہیں؟ بعضوں نے ہمت کر کے ان کا نام لے لیا تو انہیں غدار وطن کی حیثیت دے دی گئی۔ ہندوستان کا میڈیا کچھ زیادہ ہی آگ اگلتا رہا۔

چند سالوں کے بعد حالات نے پھر کروٹ لی۔ ہندوستان سے تعلقات کی راہیں ہموار ہونے لگیں۔انڈین عہدے دار جب افغانستان کے دورے پر گئے اور افغان وزیر خارجہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تو اندازہ یہی تھا کہ غالباً یہ دعوت صدا بہ صحرا ثابت ہوگی، لیکن افغانی وزیر خارجہ ہندوستان تشریف لائے اور دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر کے رکھ دیا۔ان کا یہ دورہ 9 / اکتوبر سے شروع ہو کر 16 / اکتوبر تک چلے گا۔ عالمی میڈیا سخت حیران ہے اور عالمی سیاست دان بھی کہ یہ کیا اور کیسے ہو گیا! یہ طالبانی حکومت کا سب سے پہلا اعلیٰ سطحی دورہ ہے۔

افغانی وزیر خارجہ مولانا امیر خان متقی صاحب ہندوستان تشریف لائے تو انہوں نے دارالعلوم دیوبند دیکھنے کی خواہش کا بھی اظہار کر دیا۔ہندوستانی حکومت نے بھی ان

کے احترام میں کوئی کمی نہیں کی اور اس کی نگرانی میں ہی انہوں نے دہلی سے دیوبند کا سفر کیا۔ وہ بھی مکمل پروٹوکول کے ساتھ۔ وہ آئے تو ان کے ساتھ قافلے میں شریک رکن کا بیان ہے کہ روہانہ ٹول پلازہ کے پاس انہوں نے اپنی گاڑی رکوائی۔ ہوٹل میں گئے اور وضو کر کے اپنی گاڑی پر سوار ہوئے۔ ان کی خواہش تھی کہ دار العلوم جائیں تو اس شان کے ساتھ کہ وہ باوضو ہوں اور تمام زیارتیں حالت طہارت میں کی جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کی جانب سے اس موقع پر مختلف اعلانات آئے۔ ان میں سے ایک اعلان طلبہ کے نام بھی تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ مہمان کی آمد پر وہ جی ٹی روڈ پر استقبال کے لیے کھڑے ہوں اور نعرے بازی سے دور رہیں۔ پروگرام کی جو ترتیب سوشل میڈیا پر نشر ہوئی تھی اس کے مطابق ان کی آمد نو بجے ہوگی اور وہ آتے ہی دارالحدیث دارالعلوم کے دارالحدیث جائیں گے جہاں مہتمم صاحب زید مجدہم کے درس بخاری میں شریک ہو کر ان سے اجازت حدیث لیں گے۔

وزیر موصوف 9/ اکتوبر کو ہندوستان تشریف لائے۔ ان کی ترتیب سفر دیوبند آمد سے دو دن پہلے ہی سوشل میڈیا پر وائرل ہو گئی تھی اور لوگ اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ خبر دوسروں تک پہونچا رہے تھے۔ دیوبند اور اطراف دیوبند میں عید کا منظر تھا۔ سب کی زبان پر اسی کا چرچا۔ اندازہ یہی تھا کہ ہجوم ہوگا اور لوگ بڑی تعداد میں دارالعلوم آئیں گے، کیونکہ آمد ایک وزیر کی نہیں، بلکہ ایک ایسے انسان کی تھی جو اسم بامسمی ہے۔ متقی ان کا نام بھی ہے اور متقی ان کی صفت بھی۔ وہ عالم دین بھی ہیں اور عامل صالح بھی۔ وہ اس کاروان عزیمت سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی تعریف اللہ تعالی نے کی۔ رسول علیہ السلام نے فرمائی۔ آیات قرانیہ و احادیث نبویہ کا ایک بھرپور مصداق ان کے سامنے آنے والا تھا۔ اسے ہی دیکھنے کو علما و طلبہ سراپا اشتیاق بنے کھڑے تھے۔

11/ ویں اکتوبر کا سورج طلوع ہوا۔ آج فضائیں خوش گوار تھیں۔ ہوائیں مشک بار۔ پھول تو پھول، کانٹے بھی مسکرا رہے تھے۔ علما و طلبہ کا ریلا دار العلوم کا رخ کرنے لگا۔ دیوبند اور اس کے اطراف سے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اندازہ تو پہلے ہی تھا کہ بھیڑ ہوگی اور زبردست ہوگی، مگر اس کا اندازہ قطعی نہیں تھا کہ بھیڑ بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کی طرح ہوگی۔ بے کراں، بے قابو اور بے پناہ۔ جو طلبہ جی ٹی روڈ پر استقبال کے لیے مقرر تھے وہ تو تھے ہی، ان کے ماسوا غیر دار العلومی طلبہ بھی انتظار اور استقبال کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ استقبال کرنے والے دو رویہ کھڑے تھے اور گاڑی بیچ سے گزرنی تھی۔ وزیر موصوف کی گاڑی استقبال کرنے والے طلبہ تک جوں ہی پہونچی، ان پر پھولوں کی برسات ہو گئی۔ ہجوم پروانہ وار امڈ پڑا۔ وزیر موصوف کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب و بے قرار۔ ہجوم کچھ ایسا ٹوٹا کہ صبا رفتار گاڑی چیونٹیوں کی چال سے آگے بڑھنے لگی۔ پولیس انتظامیہ اور ارباب دار العلوم پریشان تھے کہ کسی طرح اس بھیڑ کو کنٹرول کیا جائے، مگر سب ناکام۔ وزیر موصوف کی گاڑی جیسے جی ٹی روڈ سے دار العلوم میں داخل ہوئی اور چیونٹی کی رفتار میں کھسکتے سرکتے مسجد رشید کے آہنی گیٹ سے داخل ہوئی۔ پولیس انتظامیہ بھی مستعد۔ اس نے وزیر موصوف کو شاندار استقبالیہ دینے کے لیے سرخ قالین بچھایا اور گارڈ آف انر پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن وفور شوق سے معمور طلبہ کچھ اس طرح وزیر موصوف پر فدا ہو رہے تھے کہ پولیس انتظامیہ کا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا، تاہم جیسے

سلامی پیش کر ہی دی۔ گاڑی شیخ الہند لائبریری کی طرف چل دی۔ لائبریری تک پہونچی تو انہیں اتارنا بھی کوہ ہمالیہ سر کرنے کے برابر تھا۔ گاڑی سے نکال کر بمشکل دارالحدیث لے جایا گیا، جہاں وہ استاد کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے:

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

طلبہ میں ایک جوش اور خروش تھا۔ مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب آج ایک الگ رنگ میں تھے۔ ان کے چہرے کی مسکراہٹ، ان کی پیشانی کی چمک، ان کی زبان حال آج کچھ اور کہہ رہی تھی۔ عموماً وہ دوپلی ٹوپی پہنتے ہیں۔ ہر موسم میں انہیں دوپلی ٹوپی ہی پہنے دیکھا گیا، مگر آج ان کے سر پر ٹوپی نہیں، بلکہ عمامہ تھا، جو غالباً وزیر موصوف کے اعزاز و استقبال میں باندھا گیا تھا۔ مفتی صاحب کا درس ہوا۔ انہوں نے اجازت حدیث زبانی بھی دی اور تحریری بھی، جسے لے کر وزیر موصوف نے اپنے سینے سے لگایا۔ مفتی صاحب کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ چند لمحوں کے لیے تخت پر کھڑے ہوئے اور دارالعلوم و مشتاقین کا شکریہ ادا کیا۔ تقریب ختم ہوئی تو باب الظاہر ہوتے ہوئے احاطۂ مطبخ اور لائبریری کے دروازوں سے گزار کر باب قاسم اور وہاں سے انہیں مہمان خانہ لے جایا گیا۔ دارالعلوم کے اعلان کے مطابق وہاں صرف 15 / اساتذہ ملاقات کر سکتے تھے، جن میں سب کے سب علیا کے مدرسین تھے۔ دارالحدیث سے مہمان خانے جانے تک وہی کیفیت تھی جو جی ٹی روڈ سے دارالحدیث تک پہونچنے کی تھی۔ آہستہ خرام، بلکہ مخرام۔

ظہر کی نماز مسجد رشید میں ادا کرنی تھی۔ دو بج کر پانچ منٹ پر جماعت کا ٹائم رکھا گیا تھا اور وہیں سے سیدھے دارالحدیث شیخ الہند لائبریری کے دوسرے منزلے پر جانا تھا۔ اعلان کے مطابق ان کا خطاب ڈھائی بجے ہونا تھا۔ یہ ایک جلسۂ عام تھا، جو درحقیقت جلسۂ استقبالیہ تھا اور اس تقریب سے وزیر موصوف کو خطاب بھی کرنا تھا۔

اس تقریب میں شرکت کی میری شدید خواہش تھی۔ ظہر کی نماز میں نے اول وقت میں پڑھ لی تھی، کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بھیڑ بہت ہوگی اور مسجد رشید میں نماز پڑھ کر شیخ الہند لائبری تک پہونچ پانا مشکل تھا۔ میں ابھی اپنے گھر سے نکلا ہی تھا کہ دارالعلوم کے ایک استاد کا فون آیا کہ مہمان مکرم کا خطابی پروگرام منسوخ ہو چکا ہے، اب آپ آنے کی زحمت نہ کریں۔ مجھے دھچکا لگا۔ ایک سرد آہ کھینچی۔ پھر میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ شاید لوگوں کی شدت اشتیاق کے پیش نظر یہ منسوخی منسوخ ہو جائے اور اجلاس عام بہر حال ہو۔ اس لیے چلنا چاہیے۔ میں چلا۔ معلوم ہوا کہ دارالعلوم کو جانے والے تمام راستے بند ہیں۔ وہ راستہ بھی جو لائبریری سے متصل مغربی سمت کھلتا ہے۔ معراج گیٹ بھی۔ باب قاسم بھی۔ مدنی گیٹ بھی۔ پولیس نے مسجد رشید جانے والے آہنی دروازے پر پڑاؤ ڈال رکھا تھا تو گویا وہ بھی بند ہی تھا۔ میں اور میرے رفقا شاہ ولایت ہوتے ہوئے مسجد چھتہ پہونچے اور اس کے اندرونی دروازے میں داخل ہو کر پتلی گلی سے مطبخ کو نکلے اور وہاں سے قدیم دارالحدیث کی سیدھ سے باب الظاہر کی طرف جانے لگے۔ پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ اس طرح باب الظاہر نہ جائیں، بلکہ دار جدید کی طرف تھوڑا چل کر پارک کے درمیان جو پتلا راستہ ہے، ادھر سے دار جدید کی طرف چل کر باب الظاہر کی طرف مڑ جائیں۔ ہم لوگ ویسے ہی نکلے۔ باب الظاہر جیسے ہی پہونچے تو دیکھا

کہ مشتاقوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ابل رہا ہے، اچھل رہا ہے۔ موجیں مار رہا ہے۔لائبریری کی سیڑھیاں اور اس کا دامن جبل رحمت کا منظر پیش کرر ہا تھا۔طلبہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں۔ پارک کا علاقہ خالی تھا۔ وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ پورا مجمع سراپا اشتیاق تھا۔سب کی آنکھیں باب الظاہر پر ٹکی ہوئی۔ درمیان درمیان میں نعرہ بھی بلند ہور ہا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ مہمان مکرم کا خطاب ہوگا۔ پھر مجھے کسی نے بتایا کہ وزیر موصوف کی آمد منسوخ ہو چکی ہے۔ بے قابو بھیڑ کی وجہ سے جلسہ گاہ نہیں جاسکیں گے۔ پولیس نے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ ہمارے لیے یہ خبر وحشت اثر تھی، مگر ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر واٹس ایپ کے بعض گروپوں میں بھی اس منسوخی کی خبر دیکھنے میں آئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب پروگرام نہیں ہوگا۔ ہم نے سوچا کہ وزیر موصوف کی واپسی مدنی گیٹ ہو کر ہوگی تو کیوں نہ ادھر ہی ڈیرہ جما لیا جائے اور دور سے ہی سہی ان کا دیدار کیا جائے۔ اسی کشمکش میں ہم تھے ہی کہ اتنے میں پتہ چلا کہ مہمان مکرم مدنی گیٹ سے نکل کر اگلی منزل پر روانہ ہو چکے۔

تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

لائبریری کے اندر اور باہر باب الظاہر تک کے منتظرین سراپا امید تھے۔ مہمان کی رخصتی کے بعد بھی جم کر بیٹھے رہے۔ شدہ شدہ خبر عام ہوئی تو مایوسی کی تصویر بنے بوجھل قدموں سے کھسکنے لگے۔ ان کے چہرے اداس تھے۔ کیوں نہ ہوتے، ان کے ارمان پر اوس پڑ چکی تھی۔ بعد میں ویڈیو دیکھا کہ مہمان مکرم مدنی گیٹ سے نکل رہے ہیں۔ مشتاقان دید کو اپنی الوداعی رونمائی کے لیے گاڑی کی چھت ہٹا کر کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھ دائیں بائیں لہرا کر علما وطلبہ کی گرم جوشی کا جواب دے رہے ہیں۔ ہائے کیا گھڑیاں تھیں!! بھلائے نہ بھلائی جائیں گی۔ وہ چلے گئے اور میرے ذہن میں یہ مصرع گردش کرتا ہوا:

ترا آنا نہ تھا ظالم، مگر تمہید جانے کی

دارالعلوم میں عالمی شخصیتیں پہلے بھی آئیں۔ میں نے دارالعلوم میں 1996 سے 1998 تک تعلیم حاصل کی ہے۔ اور اب 2008 سے دیوبند میں ہی تدریسی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اس دوران متعدد عالمی شخصیات کی زیارت کا موقع ملا۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو بھی دیکھا۔ پیر ذوالفقار نقشبندی کی آمد بھی دیکھی۔ اور اب وزیر موصوف کی جلوہ گری بھی سامنے تھی، لیکن جو بھیڑ وزیر موصوف کے دیدار اور تقریر کے لیے اکٹھی تھی ویسی بھیڑ نہ مفتی محمد تقی عثمانی کی آمد کے موقع پر تھی، نہ پیر ذوالفقار نقشبندی کی آمد پر۔ ان دونوں سے ملاقات بڑی آسانی سے ہو گئی تھی۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے تو ان کی فرود گاہ پر ملا بھی تھا۔ اپنے سر پر ہاتھ بھی رکھوایا تھا۔ ایک کاغذ پر ان سے ان کا دستخط بھی لیا تھا۔ ان کو بارہا قریب سے دیکھا۔ پیر ذوالفقار نقشبندی کو نہ صرف یہ کہ دیکھا، بلکہ ان سے مصافحہ بھی کیا۔ ہر ایک بندہ ان دونوں سے ملاقات یا کم از کم دیدار سے مشرف تو ضرور ہوا، لیکن وزیر موصوف کی آمد پر ہجوم کچھ اس قدر تھا کہ عوام کو تو جانے دیجیے، دارالعلوم کے ہی آدھے سے زیادہ اساتذہ ان کی زیارت سے محروم رہے، حالانکہ امیر خان متقی صاحب انٹرنیشنل سطح کے کوئی شہرت یافتہ عالم نہیں تھے، بلکہ ایک وزیر تھے اور وزیر کی حیثیت سے بھی ان کا تعارف پرسوں سے قبل ہندوستان میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود علما اور طلبہ کا ان پر گرنا، ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کرنا، ان کی ایک جھلک پانے کے لیے اپنی ساری ترتیب کو الٹ پلٹ کر دینا، ان کے لیے سراپا انتظار بننا اور مشقت کے ہر دریا کو عبور کرنا مجموعۂ حیرت

تھا۔اس وارفتگی اور فدائیت کی وجہ صرف اور صرف ذوالفقار سے لبریز ان کی تاریخ تھی۔ایک داستانِ شیریں۔ایک قصۂ کوہ کن۔وہ کردار، جس کی تعریف قرآن کرتا رہا ہے، جس کو نوید یں حدیثیں دیتی آئی ہیں۔

وزیر موصوف کی آمد پر مسرت تو تھی ہی، بڑی خوشی اس کی تھی کہ وہ اردو بول سکتے تھے۔ان کی قومی زبان پشتو ہے۔ قومی میڈیا میں ان کے بیانات نشر ہوئے تو دل کو چھو گئے۔ سادہ اور او ر کھابڑ جملے، تذکیر و تانیث کی قید سے آزاد، مگر پرکار و پر اثر۔ ادبیت کی چاشنی، نہ طلاقت لسانی۔خوب صورت اشارے، نہ دل کش استعارے،لیکن مزے دار اتنے کہ فصاحت و بلاغت ان پر نثار۔جی چاہتا تھا کہ سنتے رہیں:

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

مہمان مکرم کی آمد نے ایک نیا لطیفہ بھی ہمیں دے دیا۔ درس بخاری کے بعد انہیں اجازت حدیث ملی۔اس کا چرچا سوشل میڈیا اور نیشنل میڈیا میں بھی ہوا۔عوام نے یہ سمجھا کہ ان پر کوئی پابندی تھی، اب اٹھالی گئی۔ایک ہندی چینل اے بی پی گنگا نے تو ایک نیا مضمون تراشا اور لکھ مارا کہ وزیر موصوف کو دارالعلوم میں پڑھانے کی اجازت مل گئی، بلکہ تقرری بھی ہو گئی۔اس کا عنوان تھا: افغانستان کے ودیش منتری دیوبند میں پڑھائیں گے حدیث۔ ملی اجازت۔غریب کو کیا معلوم کہ اجازت حدیث ایک خاص علمی اصطلاح ہے۔

ان کا دورۂ ہند اب بھی جاری ہے، مگر دیوبند کا دورہ سب سے جدا تھا۔ کرامت ہی کرامت۔ روحانیت سے عبارت۔نہ وہ بھول سکیں گے، نہ کوئی بھول سکے گا:

ہوا ہے تجھ سے بچھڑنے کے بعد یہ معلوم
کہ تو نہیں تھا، ترے ساتھ ایک دنیا تھی

اقبال دردؔ، ورنگل تلنگانہ

غزل

ایسے انساں کو نہیں کوئی بھلانے والا
خندہ پیشانی سے جو ملنے ملانے والا

مبتلا ہوگا غم ورنج میں دیکھو اک دن
اپنی حرکت سے کسی دل کو دُکھانے والا

ہے بھی خواہ وہی دوست حقیقت میں فقط
حوصلہ دے کے جو انساں کو اٹھا والا

قوم و ملت کا وہی شخص ہے رہبر سچ میں
متحد قوم کو اک رستے پہ لانے والا

ایک نیکی کے بدل پائے گا جنت کل وہ
کسی پیاسے کو ذرا پانی پلانے والا

پختہ ایمان کا معمار مجاہد تھا وہ
کشتیاں اپنی جو ساحل پہ جلانے والا

تلخیاں دل سے بھولا کر وہ ملا کرتا ہے
سچ میں دانش ہے وہ رشتوں کو نبھانے والا

کوئی تو ہوتا مرا دوست حقیقی اپنا
کاش کوئی مجھے آئینہ بتانے والا

ہے کہاوت یہ حقیقت میں بزرگوں کی دردؔ
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

احمد نور عینی۔ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

17/ ستمبر.......یومِ سقوطِ حیدرآباد

یادسی آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

روز و شب کا تندگام و تیز خرام کارواں جادہ پیمائی کرتا ہوا جب کبھی ستمبر کی سترہویں صبح کو ہم رکاب کرتا ہے تو عہد گذشتہ و عظمت رفتہ کی یاد دبے پاؤں چلی آتی ہے، درِ دل کھٹکھٹاتی ہے، دردِ دل کو آواز لگاتی ہے، یہ دردِ دل اب کہن سال ہو چکا، پر اب بھی وفا آشنا ہے، آج اس دردِ دل کی 77 ویں سالگرہ ہے، کلیم عاجز مرحوم کا درد دل اور ان کے 'پیارے کا شباب' دونوں ہم عمر تھے؛ لیکن باشندگان حیدرآباد کا دردِ دل ان کے ستم زاد محبوب کے شباب سے عمر میں ایک سال چھوٹا ہے، آہ وہ شباب کہ جس پر کیسی کیسی جوانیاں مٹ گئیں بلکہ مٹادی گئیں، اہلیان حیدرآباد کا درد دل بھی ایسی ہی ایک جوانی کے اجڑنے کی یاد سے وابستہ ہے۔

وہ یاد کسی پری پیکر کی نہیں۔

وہ یاد کسی مہوش کی زلف معنبر کی نہیں۔

وہ یاد ہے کسی مملکت کے اجڑنے کی، کسی وسعت کے سکڑنے کی۔

وہ یاد ہے آبادیوں کے بَن ہونے کی، بوئے گُل کے راز کشائے چمن ہونے کی۔

جی ہاں!

مملکت آصفجاہ کے زوال کی یاد

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے سقوط کی یاد

جب یہ یاد آتی ہے تو ذہن کی اسکرین پر کئی صورتیں نمودار ہوتی ہیں، کئی واقعات نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں:

* آخری نظام میر عثمان علی خان کی غربا پروری وعلما نوازی جیسی خوبیاں اور انگریزوں سے وفاداری اور ان پر بیجا اعتماد جیسی نادانش مندیاں۔

* مجلس کے پہلے صدر نواب بہادر یار جنگ کی ملی حمیت و سیاسی بصیرت اور 25 جون 1944 کو ان کی اندوہناک شہادت۔

* مجلسی صدر قاسم رضوی کے صادق جذبات اور ان جذبات کے منفی اثرات۔

* فوجی کمانڈر العیدروس کی غداری اور اس کی یہودی بیوی کی مکاری وعیاری۔

* صدر اعظم لائق علی کی 29 جنوری 1948 کو گاندھی جی سے ملاقات، گاندھی جی کا آئندہ کل بات چیت کرنے کا تیقن اور آئندہ کل گاندھی جی

کی ہتیا۔

* حیدرآباد سے دلی وفود بھیجنے کا سلسلہ اور اس سلسلہ کا بے نیلِ مرام خاتمہ۔
* حیدرآباد کے مسئلے کی اقوام متحدہ کی سیکوریٹی کونسل میں پیشی اور کونسل کا 20 ستمبر 1948 تک التوا۔
* حیدرآباد کی طرف سے نوتشکیل شدہ پڑوسی ملک کو 20 کروڑ قرض کی فراہمی اور مشکل حالات میں حیدرآباد کا تعاون کرنے سے اس کی بے رخی بلکہ بے بسی۔
* 11 ستمبر کو جناح کی وفات اور 13 ستمبر کو ہندوستانی فوج کا حیدرآباد پر حملہ اور 17 ستمبر کو حیدرآباد کا سقوط۔
* بے قصور شہریوں کا قتل کیا جانا، عورتوں کا عزت بچانے کنویں میں کودنا، دکانوں کا جلایا جانا، مال واسباب کا لوٹا جانا، سکندرآباد کے سمت آتی ٹرینوں کے مسلم یاتریوں کا اسٹیشن پہنچنے سے پہلے اذیت گاہ یا آخری آرام گاہ پہنچ جانا۔

یہ اور اس طرح کی کئی یادیں درِ دل کو دستک دیتی ہیں اور دردِ دل کو آواز لگاتی ہیں۔

آہ!

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
دیدۂ خوں بار ہو منت کشِ گلزار کیوں
اشک پیہم سے نگاہیں گل بداماں ہو گئیں

☆☆☆

ساغر اعظمی

ساغر اعظمی کی غزل

رات کے اندھیروں کو روشنی وہ کیا دے گا
اک دیا جلائے گا سو دیے بجھا دے گا

مدتیں ہوئی مجھ سے گھر چھڑا دیا میرا
کیا زمانہ اب تیرا ساتھ بھی چھڑا دے گا

سب کے نقلی چہرے ہیں سب کا ایک عالم ہے
کوئی اس زمانے میں کس کو آئنا دے گا

میں ابھی تو مجرم ہوں آپ اپنا قاتل ہوں
کانپ اٹھے گا منصف بھی جب مجھے سزا دیگا

جو دیا تعصب کا تم جلا کے آئے ہو
صبح تک نہ جانے وہ کتنے گھر جلا دے گا

جانتا ہوں میں اس کی سادگی و معصومی
وہ مرا کبوتر بھی ہاتھ سے اڑا دے گا

اس کے پاس موتی ہیں میرے پاس آنسو ہیں
میں ابھی سے کیا کہہ دوں کون کس کو کیا دے گا

اس سے اب جو پوچھوں گا اس کا حال اے ساغر
کوئی شعر میرا ہی وہ مجھے سنا دے گا

ایم۔یو۔ صدیقی

آتشبازی: سناتن روایت یا مغل عطیہ؟

ہمیشہ سے میرا اصول رہا ہے کہ میں مذہبی معاملات میں زبان بند ہی رکھتا ہوں اور بالخصوص دوسرے مذاہب کے عقائد یا روایات پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ہر ایک کے اپنے نظریات، پسند و ناپسند اور طریقِ عبادت ہوتے ہیں۔ تاہم آج کے حالات نے ایک اہم نکتہ ذہن میں جگایا تو سوچا کہ کیوں نا اس پر خامہ فرسائی کی جائے۔

ان دنوں ملک بھر میں ہمارے برادرانِ وطن دیوالی کا تہوار جوش وخروش سے منا رہے ہیں۔ روشنیوں، سجاوٹوں اور میل جول کی حسین فضا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ پٹاخوں اور دھماکوں کی شدت نے ہوا کو بھی آلودہ کر دیا ہے۔ اخبارات اور ماہرینِ ماحولیات بار۔بار خبردار کر رہے ہیں کہ پٹاخے فضا میں زہریلے ذرات بڑھا رہے ہیں، سانس، نزلہ اور آنکھوں کی جلن جیسے امراض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس صورتحال نے سوچنے پر مجبور کیا کہ آخر دیوالی پر پٹاخے پھوڑنے کی یہ رسم کہاں سے آئی؟ یعنی کیا یہ واقعی سناتن دھرم کی قدیم مذہبی روایت کا حصہ ہے؟ خیر! اس پر جب ہم نے تحقیق شروع کی تو تحقیق سے جو بات سامنے آئی (جو کہ دلچسپ بھی ہے) کہ دیوالی پر آتشبازی کی رسم سناتن دھرم کے کسی قدیم متن یعنی وید، پوران، اپنشد، رامائن یا مہا بھارت میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ وجہ بھی یہ ہے کہ قدیم ہندوستان میں بارود یا آتشبازی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

کیونکہ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ بارود کی ایجاد چین میں نویں صدی عیسوی کے زمانے میں ہوئی۔

البتہ اگر اس پر بات کریں کہ ہندوستان میں بارود کا استعمال کب ہوا؟ تو ایک روایت کے مطابق (حالانکہ یہ کوئی حتمی نہیں ہے) مغلوں کے دور میں ہوا۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ مؤرخین کا کہنا ہے کہ جب سنہ 1526 میں سلطان ظہیرالدین محمد بابر نے مغل فوج کے ساتھ مل کر پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی (جو کہ اس وقت دلی کے سلطان تھے) پر حملہ کیا تو اس موقع پر بارود کا استعمال کیا تھا۔ لہٰذا جس کی آواز سن کر ہندوستانی سپاہیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

جس کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر مندروں اور شہروں میں پٹاخے پھوڑنے کا رواج پہلے ہوتا تو شاید یہ بہادر سپاہی اونچی آواز سے اتنے خوفزدہ نہ ہوتے۔

خیر! اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بارود کا استعمال مغل دور میں ہوا۔ لہٰذا اسی دور میں آتشبازی بطور تفریح و جشن کے آہستہ آہستہ شاہی تہواروں میں شامل ہوئی جو کہ بعد میں عام سماجی میلوں تک پہنچی۔

حالانکہ بعض جدید محققین 'آنند رامائن' کے متون کو دیکھ کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان میں آتشبازی کا ذکر موجود ہے۔ لیکن جب ہم نے خود باریکی سے اس کا مشاہدہ کیا۔ تو یہ واضح ہوا کہ وہاں صرف دیے، پھول، جھنڈیاں یا جلتی روشنیوں کا بیان ہے۔ بارودی دھماکوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

لہٰذا اس کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ برادران وطن کے اس تہوار یعنی دیوالی کی اصل روح روشنی، صفائی، خوشی، خانوادگی میل جول اور لکشمی جی و گنیش جی کی پوجا میں مضمر ہے۔

جبکہ پٹاخے پھوڑنے کی روایت مذہبی نہیں ہے بلکہ ایک روایت کے مطابق بعد میں مغل دور میں پیدا ہونے والی ایک سماجی عادت ہے۔

اب چونکہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ آتشبازی کا رواج مغل دور میں ہندوستان میں آیا۔ تو پھر اسی وقت یہ سوال میرے ذہن میں آیا کہ وہ عناصر جو مغلوں سے نفرت کا عندیہ بار۔ بار دیتے ہیں وہ خود کیوں مغل دور کی پیدا کردہ رسموں کو مسلسل زندہ رکھے ہوئے ہیں؟ کیونکہ اگر مغلوں کی تعمیر کردہ عمارتیں ہضم نہیں ہوتیں، اگر ان کے نام کی سڑکوں پر چلنا گوارا نہیں تو پھر ان کے دور کی ابتدا کردہ آتشبازی کو دیوالی کا جزوِ لازم بنانا کیوں قابلِ قبول ہے؟

حالانکہ یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پٹاخوں کے باعث بڑھتی آلودگی اور صحت کے مسائل پر تنقید میں نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی پریشانی ہے۔ (گرچہ میں ماسک کا استعمال کر رہا ہوں اور نزلہ وزکام کی وجہ سے صدر والوں کا شربت ''اکسیر سعال'' استعمال کر رہا ہوں جو کہ کافی مفید ہے) بلکہ یہ تنقید انہی دانشوروں اور محبِ وطن طبقات کی جانب سے آرہی ہے جو خود کو فطرت دوست اور ماحول کے خیر خواہ سمجھتے ہیں۔

ہاں! اتنا ضرور سوال کر رہا ہوں کہ جب پٹاخوں کا رواج نہ تو سناتن کے کسی وید یا صحیفے سے ثابت ہے اور نہ ہی دانشوروں اور محبِ وطن کے بقول صحت و ماحولیات کے لیے موزوں ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت کے مطابق مغلوں کے دور کی ابتدا ہے۔ تو کیا وقت نہیں آ گیا کہ حکومتِ وقت جہاں مغلوں کے دور کی دیگر نشانیوں کو ختم کر رہی ہے وہیں دیوالی کی روشنی کو دھوئیں کے سائے سے بچانے کے لیے آتشبازی پر سنجیدہ قومی پالیسی مرتب کرے؟

یاسین ہابیل (مقیم حال امریکہ)

غزل

اک معصومؔ کی عزت سر کلاس نیلام ہوگئی
کیوں جمہورت ہماری ظلم کی غلام ہوگئی

قصور تھا اتنا وہ اک مسلمان کا بیٹا تھا
شرارت ایسی فطرت شیطانی عام ہوگئی

کیا انسانیت سے جینے کا آج یہ طریقہ ہے
درس نفرت سکھلا کے اک ٹیچر بدنام ہوگئی

گر اتالیق سے ملیگا نفرت کا پڑھنے کو سبق
تو سمجھ لو تعلیم آدمیت بے قیمت بے دام ہوگئی

کیا کل نصابوں میں درس نفرت پڑھایا جائے گا
تو جان لینا آپسی اخوت دنیا میں بے نام ہوگئی

جما لیا قدم ہند چاند پہ اپنا تو ہوا کیا کمال
پر نقش پاں شخصیت انسان یہ بے مقام ہوگئی

ہابیل ترا قلم تجھ سے کرتا ہے سوال برملا یارو
کیا ترے دست کو آج بیماری جزام ہوگئی

سید عظمت اللہ بیابانی۔وجئے نگر کالونی،حیدرآباد

ایک چھوٹی مہم

ایک عرصہ کے بعد میں اپنے لڑکے کے ساتھ میرے آبائی شہر جانے کا اتفاق ہوا، یہ وہ جگہ ہے جہاں میرا بچپن گزرا، مجھے میرے بچپن کے تعلیمی دور کی یاد تازہ ہوگئی، میرا اسکول جہاں میں پڑھتا تھا، جانے کا اتفاق ہوا، میں اپنے آپ کو اسکول کے ذمّہ داروں سے متعارف کرلیا، ذمّہ داروں نے میرے بچپن کے تعلیم کے زمانے کے کچھ واقعات یہاں کے طلباء سے بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

میں نے کہنا شروع کیا کہ جب ہم اسکول کے آخری سال کی چھٹیوں میں ایک پکنک منانے کا پروگرام بنایا، اُن دنوں اکثر جنگلوں کی اور شکار کی باتوں سے ہم کو محظوظ کروایا جاتا تھا، اِس کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اِس جگہ قریب جہاں پہاڑوں کے دامن سے پنّار ندی کی شاخ بہتی ہے، جانے کا پروگرام بنایا، ہم پانچ ساتھی تھے، چوں کہ جنگل میں کچھ جنگلی جانوروں سے بھی سابقہ پڑسکتا، اس لیے ہم نے اپنے ساتھ بیس بال کا بلّہ (Baseball bat) ساتھ لیے چلے، ندی کا پانی زیادہ نہیں تھا، ہم نے ندی پار کی اور دوسری طرف کی جنگلی جھاڑیوں کی پگڈنڈی سے آگے بڑھے، تھوڑی دور تک ایک کے پیچھے ایک راستے کی تنگی کی وجہ سے آگے بڑھتے گئے۔

ہم جوں جوں آگے بڑھتے گئے، ایک عجیب قسم کی سرسراہٹ والی آواز سننے لگے، ایسی آواز جو سوکھے پتوں، جھاڑیوں اور لکڑیوں پر وزن پڑنے سے آتی ہو، ہم اشاروں اشاروں میں ایک دوسرے کو ہوشیار رہنے کی نشاندہی کرتے ہوئے رُک گئے۔ آواز دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی، ندی کے بہنے کی آواز جب جب اِس جنگل کی آواز کو مدھم کرتی رہی، ہم نے اپنے بیاٹ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے، آواز کی جانب غور سے دیکھنے اور سننے لگے، آواز کا آنا تھم گیا، ہم نے راحت محسوس کی، پھر تھوڑی ہی دیر میں آواز کا سلسلہ شروع ہوا جیسے کوئی جانور اِن سوکھے پتوں، جھاڑیوں اور لکڑیوں پر آگے بڑھ رہا ہو، ہم بالکل خاموش ٹھہر گئے، دھیرے دھیرے آواز قریب آتی گئی اور ہم اپنے ہاتھوں میں پکڑی بیاٹوں کی گرفت مضبوط کرنے لگے، قریب میں سوکھے ڈالیوں کی جنبش محسوس کی اور اتنے میں ایک کچھوا آگے بڑھتا ہوا نظر آیا، کچھوے کو دیکھتے ہی ہماری گھبراہٹ دور ہوگئی اور ہاتھوں میں پکڑے بیاٹوں کی گرفت سست ہوگئی کیوں کہ کچھوا ایک معصوم اور بے ضرر جانور ہے، جیسے ہی میں نے اپنی بات روک دی، طلباء کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

سید ظفر بیابانی (یوایس اے) ولد سید عظمت اللہ بیابانی

والد محترم

کچھ ستر سے زائد سال پہلے ایک گہرا اہم لمحہ پیش آیا۔ ایک لمحہ جو کبھی میرے معزز والد حاجی اور میرے دادا، دادی نے محسوس کیا تھا۔تقریباً" چونتیس سال بعد، میں نے بھی اس جنم کے عجوبے کا سامنا کیا۔ میرے پیدائش کے بعد آپکی باہوں میں پلے۔ میری والدہ کی عظیم محنت سے اس دنیا میں آ گیا۔ میں نے پہلی بار ان ناموں کو سنا جو میری زندگی کی رہنمائی کریں گے۔ میرے الہی خالق اور محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔اس گہرے تعارف نے نہ صرف میری زندگی کی شروعات کو نشان زد کیا بلکہ ایک امیر ورثے کو جاری رکھا، جسے میں نے اپنے بچے کے پیدائش کے 29 سال بعد مزید آگے بڑھایا۔

میری زندگی میں چار ستون مضبوط رہے ہیں:--اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، میرے والد اور میری والدہ۔وہ میری پرورش کے خوشگوار گھر کی دیواریں بنتے ہیں۔ میرے بھائی اور میری بہن۔۔ جنہیں میں پیار سے ''مسں بلس'' کہتا ہوں۔۔ مجھے گھیرے ہوے ہیں۔ خاندانی بندھنوں کی طاقت اور حمایت کا مظہر۔ ہماری والدہ، مضبوط بنیاد، بغیر کسی شکایت کے ہم سب کا بوجھ خاموشی سے اٹھاتی ہیں۔ میرے والد، ایک حفاظتی چھت کی طرح، ہمیں پناہ دیتے اور رہنمائی کرتے ہیں۔

عرب اور اسلامی ثقافت میں، اکثر کہا جاتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ''مرات'' (آئینہ) ہیں۔ یہ تصور خاص طور پر بہن بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ہم چاروں بہن بھائی، اس آئینہ داری کی نعمت سے مالا مال، کعبہ کی طرح ہیں۔ مضبوط اور معزز، ہم جو بھی آزمائشوں کا سامنا کریں، جیسے کعبہ، جس کی تاریخ تباہی اور دوبارہ تعمیر کی ہے، کبھی بھی احترام میں کمی نہیں آتی، ویسے ہی ہم بہن بھائیوں کے درمیان بندھن بھی نا قابل توڑ ہے، ہماری مسلسل طاقت اور اتحاد کی گواہی دیتی ہے۔

کیا ہو سکتا ہے جو کہ ایک باپ کو دیا جائے جو خود کے لئے کچھ بھی نہ چاہتا ہو، پھر بھی اپنے بچوں کے لیے سب کچھ چاہتا ہو؟ آپ کس طرح ایک ایسے شخص کو عزت دیتے ہیں جو مسلسل دینے، خدمت کرنے، اور قربانی دینے کی مثال ہو، پھر بھی آپ کو کیک یا تحفے یا دیگر چیزیں بھیجنے سے روکتا ہو؟ میرے والد ''ایثار'' --- بے غرضی۔ کی زندہ مثال ہیں، ہمیشہ دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے:۔

"و یوثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصہ"

یہ آیت دوسروں کو خود پر ترجیح دینے کی خوبی کو عکس کرتی ہے، یہاں تک کہ قلت کے وقت میں بھی۔

واقعی، یہ ایک مشکل لیکن خوبصورت مسئلہ ہے۔

شاید پھر بہترین تحفہ یہ ہو کہ ہم اسی جوہر کو شریک کریں جو انہوں نے ہمیں دیا ہے۔ ہماری زندگیاں۔تو، اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے، یہاں سے آگے بڑھتے ہیں۔

سیدہ سمیرہ بنت ڈاکٹر اجتبا ندویؒ۔ دہلی

آہ! ایک قیمتی موتی جانے کہاں گم ہو گیا

یہ وہ لمحات تھے جس کا کا لفظوں میں بیان مشکل ہے۔ ہے دل میں مایوسی و امید کی کشمکش چل رہی تھی اسپتال کی خاموشی میں وحشت ہو رہی تھی۔ یہ وہ منظر تھا کہ جب میری (سیدہ سمیرہ) عزیز امی شدید تکلیف میں ای سیو مین تھی اور ان کو میں محبت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی دل میں آرزو تھی ان کی صحت یابی کی اور زبان پہ ذکر خدا آہستہ سے انہیں پکارتی تھی اس امید پر کہ شاید وہ آنکھ کھولیں اور مجھے دیکھیں میں انہیں دلاسہ دے پاؤں کہ آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بے بسی کا وہ عالم نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اور یقیناً ساری زندگی نہیں ہوگا۔

آخر کار یہ شب ہمارے لیے باعث غم وسوگ ہوئی۔ ہماری بیش قیمتی (امی) سیدہ ثریہ بیگم بنت مرحوم سید عبد الجبار وشریک حیات مرحوم سید محمد اجتبا ندوی 8 ستمبر رات 30-12 بجے ہم سب کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملی انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم امی ایک نیک دل مخلص اور با خالق خاتون تھیں جنہوں نے اپنی مکمل زندگی دوسروں کی خدمت، محبت اور خیر خواہی میں گزاری وہ ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جس کی جھلک ان کی شخصیت میں واضح طور پر نظر آتی تھی۔ معاملات بہت صاف و عیاں رہتی تھیں ان کی رواداری ضیافت اور مہمان نوازی کے لوگ قائل تھے۔

خوش قسمتی سے وہ بہت مشہور ومعروف شخصیت مرحوم بروفیسر سید محمد اجتبا ندوی کی اہلیہ تھیں جو عالم باعمل وعربی زبان کے ادیب تھے جو ملک و بیرونی ملکوں میں اپنے علمی شغف کے لیے جانے جاتے تھے 20 جون 2008 میں اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم والد صاحب کا تعلق ایک دینی و علمی اہمیت رکھنے والے خاندان سے تھا وہ حضرت مولانا سید جعفر علی نقوی رحمت اللہ علیہ مستوی کے خاندان کے چشم و چراغ تھے مولانا جعفری علی نقوی رحمت اللہ علیہ اپنے زمانے کے بڑے عالم وہ داعی تھے وہ حضرت سید احمد شہید رحمت اللہ علیہ کے رفیق جہاد اور خلیفہ تھے۔ انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت و فضیلت کی تعلیم پائی اور دمشق یونیورسٹی (ملک شام سے بی اے آنرز کیا واپس ہندوستان آنے کے بعد ان کا نکاح سیدہ تربہ بیگم سے منعقد ہوا 1960 میں وہ والد صاحب کے علمی اور ادبی کاموں میں ان کی بہترین معاون ثابت ہوئیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کیا بہت امتیازی حیثیت کے ساتھ اور انہیں گولڈ میڈل سے اعزاز ملا اور اس کے بعد (امیر سید صدیق حسن خان ان کے حیات اور کام کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

وہاں اپنی دیانت وہ غیر معمولی اسلامی جلسے اور علمی معلومات کی وجہ سے اپنے حلقے میں ممتاز مانے جاتے تھے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء من عربی زبان وادب اور اصول فقہ کے مدرس رہے قریب 1965 تک اس دوران وہ اپنے بہت شفقت والی عزیز بھائی مرحوم مولانا مرتضی کے ساتھ رہتے تھے جو اپنے تمام اہل خانہ کے ساتھ لکھنو میں سے

ہوئے تھے۔ اس زمانے میں وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی پیش کردہ لائبریری کے ناظم الاعلیٰ تھے۔ والد صاحب کی تعلیم وتربیت کا اختتام بھی ان کے زیر سایہ ہو ہوا۔

اس کے بعد جامعہ ملیہ اسا تا یہ دہلی میں شعبہ عربی میں تدریسی خدمات انجام دیا کچھ عرصے سعودی عرب میں امام محمد بن سعود اسالتانی یونیورسٹی ریاض اور اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ رہے وہاں سے واپس ہندوستان منتقل ہونے کے بعد جامعہ ہدایت جے پور میں اپنی خدمات انجام دیں پھر الہ آباد یونیورسٹی میں شعبہ عربی وفارسی کے پروفیسر شعبہ رہے اور وہیں سے 30 جون 1992 میں ریٹائر ہوئے۔ 1992 میں ہندوستان کے صدر راز وینکٹ رمن ان کی مسلم قابلیت اور علمی شعف کے اعتراف میں انیس پر ینٹ ایوارڈ عطاء کیا۔ ان کا وقت اکثر دینی فکر و کاموں میں صرف ہوتا تھا وہ عظیم شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ علمی و دینی اسکالر سے بے حد متاثر تھے انہی کے مشورے پر وہ سعودی عرب سے ہندوستان منتقل ہوئے ان کی خوش قسمتی تھی کہ حضرت ابوالحسن علی ندوی نے عظیم شخصیت سے براہ راست استفادہ کا موقع ایک طویل مدت تک انیس حاصل ہوا۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی سے گہرا تعلق رہا اس سلسلے میں مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اس کے تاسیسی رکن اور اس اس کی ہندوستان شاخ کے صدر تھے۔ ان کے عربی اور اردو اردو زبان زبان میں میں تقریبا تقریبا ایک ہزار مضامین ملک اور بیرون ملک کے رسالوں میں شائع ہوئے بہت سی تصانیف عربی اور اردو زبان میں ہیں جیسے - تاریخ فکر اسلام نقوش تابندہ، عورت اسلام کی نظر میں وغیرہ۔

یہ شعر ان کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے

اکیلا ہوں مگر آباد کر تا ہوں ویرانہ
بہت روئیں گے میرے بعد میرے شام تنہائی
جگر مراد آبادی

محترمہ والدہ اپنے والدین کی سب سے فرمانبردار با صالحیت، صابر ذہین اور شفقت والی صا ادی تھیں نہایت حسین اور باوقار شخصیت کی مالک تھیں۔ دوسروں کے لیے ایک بہترین بترین مثال نہیں۔

ان کی ابتدائی زندگی اپنے والدین کے عالوہ اپنے دادا سید امتیاز حسین کے زیر سایہ گزری اس زمانے میں ان کے دادا معتر یت تھے ایک موثر: ایک موثر شخصیت کے مالک تھے ہماری ہماری والدہ کی ایک ایک شاہان زندگی گزری حسان بر بر چیونی بڑی ضرورت کے لیے ماتزم خدمت کے لیے حاضر رہتے تھے کسی قسم کے تناؤ و نیاز میں نہیں رہیں ان کے مزاج میں اعتدال وسادگی تھی وہ کسی بھی خرابی جیسے حدو جلن نفرت وعداوت، غرور و تکبر کینہ غیبت وغیرہ سے پاک صاف تھی آخری وقت تک۔

بچپن سے جوانی تک کا سفر ان کا نہایت پرسکون وعمدہ ماحول میں گزرا۔

اپنی کلاس میں سب سے بہترین اور نمایاں طلبہ تھیں۔ ان کے استادان کی تعریف کے ساتھ ان کے والد کو بھی اعزاز دینے تھے کہتے تھے مولانا کی ملی ہے یعنی ان کو اچھی بہترین و دینی تربیت ملی۔ وہ انگریزوں کا دور تھا ہمارے نانا انگریزی زبان سیکھنے کو ترجیح دیتے تھے وقت کے ساتھ امی کی ذہانت علم وصالحیتوں کا پیمانہ لبریز ہوتا گیا جس کا عکس ان کے کام اور مشغلوں میں نمایاں طور پر نظر آتا تھا - پڑوسی ورشتہ دار سب کے ساتھ حسن سلوک کرتین اور وقت آنے پر سے جھجک ان کی مدد کو آگے بڑھ جاتی تھیں۔

ان کے والد صاحب ریلوے میں کنٹرولر تھے جس کی وجہ سے انہیں مختلف شہروں میں ریلوے کوارٹر میں قیام کا موقع ملا مختلف جگہ کے لوگوں کی ثقافت و تمدن سے وابستہ ہوئی کبھی ہم لوگ کو مختلف جگہ کے لوگوں کی بھی تھیں اپنی زندگی اور کچھ پہچان اور ان کے کھانے کی پسند کے بارے میں بتاتی تھی وہ بہت دور اندیش دوسروں کی زندگی سے جو تجربے حاصل ہوئے تھے انہیں نین نشین رکھتی تھیں اور وقت پر اس سے استفادہ ہوتا تھا۔

وہ دینی و عصری تعلیم کے علاوہ گن گانگ میں بھی ماہر تھیں جس میں سائلی بنائی، کرائی، کشیدہ کاری، پیٹر اسٹائل وغیرہ۔

ایک مرتبہ ان کے عزیز اے تو انہوں نے کہا کہ میرا کرتا سلدوا اس وقت امی کو کرتا سلنا نہیں آتا تھا مگر ماشاء اللہ انہوں نے اپنے والد صاحب کا کرتا دیکھا اور دھیرے دائرے اس کو دیکھ کر عزیز کا کرنا سن لیا ان سی طرح سویٹر کی کوئی نئی گیز ائن دیکھ لیتی گھر اگر وہ وہی گیز ائن بنا لیتی تھیں۔

تیواروں پر پڑوسوں کی لڑکیاں صرف ان سے ملے بہار اسٹائل بنوانے آتی اور یہ بڑے شوق سے ان کے نئے ہیئر سٹائل فرینچ برند بنایا کرتی تھیں۔

ہماری نانی عزیزہ بیگم) بیت عمدہ کھانا بناتی تھیں اور وہی نوق و عبارت امی میں منتقل ہوئی وہ بھی بہت لذیذ کھانا بناتی تھی وہ کہتی تھیں کمال تو جب ہے کہ کم اشیاء سے لذیذ کھانا بنے۔ ایک دفعے کا واقعہ ہے کہ کسی نے کچھ اپنا کشیدہ کاری کا کام امی کو بنانے کو دیا اس وقت ان کی نوعمری کا زمانہ تھا تو انہوں نے کہا ارے کیسے بھی کر کے بنا دیتے ہیں، ان کی خانہ جمیلہ نے سن لیا وہ بولیں کام تو ہمارا ہوگا یعنی آپ کا نام اس کام سے جانا جائے گا تو کام بہتر اور اچھا ہونا چاہے ان سب باتوں میں سیکھ بھی ملتی ہے امی کے ذریعے کچھ وقفہ ان کا لکھنو میں گزرا اور وہاں کے اہل خانہ نے ان کی بہت عزت و احترام کیا جلد ہی ان کی پہلی سٹی ریحانہ ہوئیں لیکن ایک ماہ کے دوران ہی چیچک کی تکلیف میں فوت ہوگئیں۔

دیلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں رہیں یہاں ان کے تین بٹی اور تین بیٹے ہوئے لیکن افسردگی کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ان کے ایک بیٹے احمد جو 10 برس کے تھے بیماری میں فوت ہوگئے والد صاحب نے مضمون لکھا تھا؟ ہونیار بچہ کے نام سے جو رسالہ تعمیر حیات میں چھپا تھا اور اس کے بعد دوسرے بیٹے جو محمد ڈھائی سال کے تھے ایک کھانسی ائی اور اس بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

ہمارے والدین نے اس پورے عرصہ میں بہت مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن کو پکڑے رکھا۔

وہ ایک شفقت والی بین بھی تھی انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مسعود کی پڑھائی پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنے ساتھ رکھا اور وہ کامیف ہوئے اور وہیں سے نوکری کی بھی عرضی دی اور جلد ہی قطر میں منتقل ہونے اور آج تک ویں مقیم ہیں پورے اپنے اہل خانہ کے ساتھ۔

ہم لوگ سعودی عرب میں کچھ عرصہ رہے وہاں رہنے کی وجہ سے اکثر مکہ مکرمہ اور مدین منورہ نورہ کی زیارت کا موقع ملتا تھا، ریاض من اللہ تعالیٰ نے ایک اور بیٹے سے نوازا لیکن وہ بھی جلدی رخصت ہوگئے ہمارے والدین نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑا اللہ کی رضا پر ہی راضی رہے کبھی غم یا کسی شکن کا سایہ بھی کسی کو محسوس نہیں ہوا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مجھے اور میرے بھائی کو ایک جیسی پانی کی بوتل دلائی گئی تھی بس رنگ مختلف تھا میں اسکول سے واپس آئی تو خیال آیا کہ ہوٹل تو اسکول میں رہ گئی میں نے سوچا کہ امی غصہ ہو جائیں گی یہ جان کر تو میں اہستہ سے

ان کے ہیروں کی جانب جا کر بیٹھ گئی اور ہلکے سے کہا کہ میری پانی کی بوتل اسکول میں کھو گئی ہے، امی نے بڑے پرسکون انداز میں کیا کوئی بات نہیں اللہ تعالی اور عطا کریں گے میں حیران رہ گئی اس جواب پر اور مجھے بہت خوشی ہوئی اور ساتھ یہ دینی سبق بھی ملا کہ کسی چیز کے گم ہونے پر افسوس نہیں کرنا چاہیے بلکہ دعا کرنی چاہیے۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد امی کی ذمہ داریوں میں اور اضافہ ہو گیا ہم لوگوں کی پرورش اور دیکھ بھال انہیں تنہا کرنی پڑی والد صاحب مختلف شہروں میں استاد رہے اور زیادہ عرصہ امی کے ساتھ وقت گزرا امی کو اور قریب سے جاننے کا موقع ملا ت الی بیت بی بابات و مانو رخاتون تھیں بنا کسی شکایت و تھکاوٹ کے برابر اپنا قرض کو ادا کرتی رہیں ہم لوگ کی تربیت و تعلیم پر پوری توجہ دی چلتے پھرتے انسان لفظوں میں موقع و محل دیکھ کر وہ ہمیں دینی و دنیاوی باتوں سے آشنا کرتی تھیں۔

اس بات کی بھی نگرانی رکھتی تھی کہ ہم اچھی صحبت میں ہیں یا نہیں۔

ہمیں رات کو سونے سے قبل بنا ناغہ ساری دعائیں اور سورتیں یاد کراتی تھیں اور کبھی پاس اپنے بچپن کے الجب واقعات بھی سناتی تھیں بھی اپنی امی پر بہت فخر ہوتا تھا ان کے ساتھ ہمیں وقت کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

ایک قصہ یوں ہے کہ میں کالج میں تھی اور میری ایک کلاس فیلو تھی تو اس کے ایک اہم خوشی کے موقع پر سب کو مبارکباد دینی تھی مگر ذرا جھجک میں دیر سے اس کو مبارکباد دینے گئی گھر واپس اگر سب قصہ امی کو سنایا وہ بولیں سلام و مبارکباد دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے ہوں وہ چلتے پھرتے انسان لفظوں میں ہماری تربیت کرتی رہتی تھی۔

میری پڑھائی کے سلسلے میں پر لحہ ان کا ساتھ رہا جب میں بی ایڈ کر رہی تھی اس وقت بھی بہت سارا کرافت ورک اور سافت کو والے اور فینشنگ کرنا تھا تو وہ آپ نے دن بھر کی مصروفیت کے بعد میرے پیٹ اور سوفٹ ٹوویز کو بناتیں اور مجھے سکھاتی تھیں اسی طرح میرا ایک ڈسکشن لیسن تھا جو کافی اہم مانا جاتا ہے اس میں مجھے پیر سے بہت ساری گاجر بنانی تھی اس کو بنانے میں نہ جانے کب سو گئی اور جب صبح اٹھی تو امی کے رات بھر جاگ کر اس کو بنایا اور ذرا سی بھی شکن ان کے ماتھے پر نہیں تھی۔

وہ ایک شفقت کرنے والی ماں تھی آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنے والدین کی بہترین تربیت کی وجہ سے ہوں والدین کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی ہے اور اولاد چاہے کر بھی ان کی پوری زندگی میں ان ان کا حق ادا نہیں کر سکتا ان والدین کا رتبہ اللہ تعالی نے بہت عظیم رکھا ہے کوئی اور رشتہ ایسے نہیں ہو سکتا۔ سبحان اللہ۔

ان میں ہمدردی کا جذبہ بھی بھرپور تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک غریب عورت اکثر آیا کرتی تھی امی اس کا کافی خیال کرتی تھی اس کی ایک ننھی سی بچی تھی اس کے لیے امی نے بے جھجک اپنے ہاتھوں سے خود فراک سل کے دیا تھا وہ عورت بہت خوش ہوئی تھی۔

آخر عمر میں وہ علالت کے دوران گھر کے ایک حصہ میں گوشہ نشین ہو گئی تھی اپنی کسی تکلیف کا احساس دوسروں کو ہونے نہیں دیتی تھی کبھی کوئی شکایت عاجزی کا مظاہرہ نہیں کیا خود ہی بر مشکل و پریشانی کا سامنا کرتی رہیں وہ ہمارے بیچ میں نہیں رہی مگر ہمیشہ ہمارے دلوں میں ان کی یاد تازہ رہے گی۔

ہم سب کے لیے ایک مثال ہے خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے نقش قدم چلیں اور صبر و شکر کا دامن تھامے رہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ناطق لکھنوی

ناجائز عشق ومحبت کی پرواز اور ہمارا دیوالیہ۔۔۔؟؟!

آلات کی کثرت نے رابطہ کو عام کیا ہے دوری کو قریبی میں بدلا ہوا ہے اب تو ہجر بھی ہجر جیسا نہیں اور وصل میں پہلے کی سی گرم جوشی نہیں۔

انہیں آلات کا جہاں جائز بہتر اور مناسب استعمال موجود ہے وہیں اس کا خطرناک حد ناجائز اور غیر مناسب استعمال بھی ہو رہا ہے۔

ہمارے معاشرے نے اکثر بگڑتے بچوں کا سبب انہیں آلات بتایا ہے بلکہ آلات کو قصوروار بھی ٹھہرایا ہے جو معاشرے کی انتہاء درجہ کی نااہلی کا بولتا ہوا ثبوت ہے حالانکہ آلات فراہم کرنے والے ہم خود ہی ہیں۔

کیا جب آلات نہیں تھے تب بچے بگڑتے نہیں تھے کیا جب ان آلات کو کوئی وجود نہیں تھا تب لوگ مذہب، تہذیب، تمدن، سے متنفر نہیں ہوتے تھے۔ ہوتے تھے اور یقیناً ہوتے تھے۔

بگاڑ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں لیکن کیا ہم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ اصل جڑ کیا ہے۔ نہیں نا کیونکہ ہم اپنی نااہلی پر مطمئن ہو کر جو بیٹھے ہیں۔

ہم نے اپنی اولاد کی خواہش تو پوری کرنے کی کوشش کی لیکن کبھی اس کو اخلاق سکھانے کی طرف توجہ نہیں دی

ہم نے اپنی نسلوں کو تعلیم دینے کی کوشش کی لیکن کبھی تربیت پر توجہ نہیں دی۔

ہم نے اپنوں کی ضد تو مان لی لیکن حقوق کیا ہوتے ہیں بتانے کی زحمت گوارہ نہیں کی

ہم تو اس طرح دنیا میں الجھے کہ بچوں کو وقت ہی نہ دیا اور انہیں آزادانہ پرورش کا ماحول فراہم کرتے رہے۔

ان سب کے درمیان بچوں نے فلمیں دیکھیں انہیں لگا زندگی اسی طرح چلتی ہے جیسے فلم میں ہوتا ہے۔

آزادانہ ماحول میں بچے خارجی تمام فتنوں سے متاثر ہوتے گئے انہیں لگا یہ آزادی دینے دلانے والے لوگ صحیح ہیں وہی ان کا نظریہ بنا۔

ان کو لگا رشتہ خود سے بناؤ جس سے جی چاہے عشق لڑاؤ جسمانی خواہش پوری کروا ان بن کی صورت میں نئے راستے کی تلاش میں نکل جاؤ۔

یہ جو آج کل ہر سات سال کا لونڈا عشق کے دم بھر رہا ہوتا ہے کبھی سوچا کہ یہ اس کے دماغ میں پنپا کیسے اور جامد کیسے ہوا فقط ایک موبائل یا کسی بھی طرح کی اسکرین ذمہ دار نہیں ہے (اس اسکرین کے پیچھے شاطر دماغ لوگ ہیں جن کا نام نہاد کام معاشرے کو آزادی دینا بھی ہے جو وہ غیر اسکرین سے بھی کرتے ہیں)

یہ ہماری ذمہ داری تھی کی بچوں کو اسکرین چلانا ہم خود سکھاتے اگر ہم سکھانے کے قابل نہیں ہیں تو سکھانے والے پر نظر رکھتے اور بچوں کے اسکرینی وقت کو اپنے سامنے رکھتے

تا کہ وہ والدین کے مابین رہ کر اصول سے نہ بھٹکیں۔

یاد رہے کہ ناجائز عشق اسی معاشرے میں پنپتا ہے جہاں عملی اور اخلاقی دیوالیہ ہو چکا ہو۔ غیور قومیں تربیت پر زیادہ توجہ دیتی ہیں کالے حروف سکھانے کے مقابلے میں جہاں 35% علم کے ساتھ 65% اخلاقی معاشرتی تربیت ہوتی وہ قوم 100% ہوتی ہے اور وہاں غیور نسل تیار ہوتی ہے ان تعمیری صلاحیت کے لوگ پیدا ہوتے وہاں تخلیقی ذہن پرواز کرتا ہے۔

جہاں 75% علم کے ساتھ تربیت 5% فیصد بھی نہ ہو وہاں ٹھرکی لڑکی باز اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الفاظ لکھ نہیں سکتا جیسے لوگ تیار ہوتے ہیں جو اپنی ہی قوم اور گھرانے کی عزت اجاڑ دیتے ہیں۔

بطور دلیل آخری بات۔ آج طائرانہ یا تحقیقانہ نظر دوڑا لیں حرام کاری میں ان پڑھ لوگ زیادہ مبتلاء ہیں یا کالے حروف پڑھنے والے کس کی عزتیں نیلام ہو رہی ہیں ان پڑھ گھرانوں کی یا آزاد خیال تعلیم یافتہ گھرانوں کی۔ انہیں آزاد خیال تعلیم یافتاؤں نے جن کی اپنی عزت محفوظ نہیں رہی اب آپ کی بہن بیٹی کو آزادی کا چورن بیچ رہے ہیں اور بچے بچیاں جوق در جوق جا رہے کیونکہ وہاں نفسانی خواہشات کا سامان جو میسر ہے لیکن اس سے مرتب ہونے والے ثمرات کا علاج وہاں نہیں ہے۔

خدارا اپنے بچوں کو دنیا کی ہر تعلیم دیں لیکن ان کی تربیت اپنے ذمہ سے کبھی بھی ساقط نہ سمجھیں انہیں رشتوں کی اہمیت بتائیں انہیں تہذیب کے آداب سکھائیں انہیں بود و باش کے تمام اصول سکھائیں یہ آپ کے بچے ہیں اور یہ آپ سے ہی سیکھیں گے۔

علی شاہدؔ دلکش۔ کوچ بہار گورنمنٹ انجینئرنگ کالج

حمدیہ ہائیکو

سب سے اکبر وہ
خلقت چاروں جانب ہے
سب کا محور وہ

سب سے برتر وہ
سب میں یکتا اللہ ہے
سب سے بہتر وہ

سب کا رازق تُو
دونوں جگ کا تُو داتا
سب کا خالق تُو

سب کا راجا ہے
کلمہ طیب سے سمجھو
جس کی پوجا ہے

بندہ کہتا ہے
رکھوالا ہے سب کا جو
اللہ ، اللہ ہے

ایس۔ایم۔عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات،مشیرآباد،حیدرآباد(بموقع دورہ ریاض سعودی عربیہ)

''اولاد'' کے لیے ''سخت محنت'' ہی ''ماں باپ کی عظمت'' کا سبب

دنیا شاہد ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو جنم دینے سے لیکر ان کے بلوغیت کو پہونچنے تک یعنی بیس سال کے عرصہ تک سخت محنت کرتے ہیں جو خونی رشتہ کی بے انتہا محبت اور عین ذمہ داری کا تقاضہ اور قدرت کی منشاء ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک ماں اپنے ہونے والے بچہ کو ''نو مہینہ'' اپنے رحم میں اٹھائے پھرتی ہے جو کہ ''قدرتی عمل'' ہے۔یقیناً اس دوران ایک ماں کو جسمانی تکلیف وذہنی دباو کے ساتھ معاشرتی طعنوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی ایک ماں بچہ کے جسم کی صفائی کا خیال رکھتی- وقت پر دودھ پلاتی- صحت کا خیال رکھتی- رینگنے سے لیکر چلنا سیکھنے تک نگرانی کرتی- ابتدائی تعلیم سے لیکر گریجویٹ بننے یعنی قریب مسلسل بیس سال تک چولہے کی آگ کی تپش برداشت کرتے ہوے اور اپنی صحت کا خیال کیے بغیر موسم کی گرمی وسردی کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے ناشتہ اور ٹفن کی تیاری کرتی اور وقت مقررہ پر اسکول پہونچاتی اور کالج پہونچنے کا انتظام کرتی ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے اخراجات کے لیے ''مال کی فراہمی'' کے لیے کبھی گھروں میں برتن وکپڑے دھوتی ہے تو کبھی دس-دس گھنٹے کسی ادارہ میں صفائی ونگرانی کی ڈیوٹی انجام دیتی ہے۔وہیں ایک باپ اگرچہ کہ بچہ کی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے مین طبعی طور پر کم حصہ لیتا ہے پر دیگر اخراجات کی تکمیل کے لیے موسم کی سخت گرمی وشدید سردی برداشت کرتے ہوئے دس تا بارہ گھنٹے کہیں جان توڑ مزدوری کرتا ہے تو کبھی مجبوری میں رکشہ تک چلاتا ہے تو کبھی اپنے گھربار کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور دوسرے ملک جاکر ملازمت کرتا ہے۔

اخراجات جیسے بچوں کی بہترین تعلیم اور موجودہ زمانہ کی مانگ پوری کرنے کے لیے خاص کر ''بیٹیوں کی شادی'' کے لیے لاکھوں روپیے کا قرض لیتا ہے جسکو ادا کرنیکے لیے کئی برس لگ جاتے ہیں جبکہ اس دوران زمانہ کی جھڑکیوں کو بھی سنتا اور سہتا ہے۔اتنا ہی نہیں بلکہ ماں باپ بہت مجبوری میں اپنا چہرہ چھپا کر ''بھیک'' تک مانگتے ہیں اگرچیکہ مذہب اسلام نے ''اس عمل'' کو ''ذلت'' سے تعبیر کیا ہے۔اللہ تعالی دنیا کے تمام ماں باپ کو ذلیل ہونے سے بچائے۔آمین۔

اتنا ہی نہیں بلکہ مزکورہ بالا سخت محنت کے ساتھ ساتھ

ماں باپ ہر قدم پر اپنی ضروریات وخواہشات کی قربانی دیتے ہوئے اولاد کی ضروریات وخواہشات پورے کرتے ہیں۔

جب یہی اولاد خود بالغ ہوجاتی ہے اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ملازمت یا تجارت کرتے ہوئے تکالیف کا سامنا کرتی ہے تب اپنے ماں باپ کی کی گئی سخت محنت کا دور ذہن میں گونج اٹھتا ہے اور نتیجہ میں نہ صرف آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہتے ہیں بلکہ دل سے دعا بھی نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ اگر باحیات ہیں تو ان کو ہر قسم کا سکون عطا کرے اور اگر دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں تو ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی سے اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔

''مذہب اسلام'' کی قرآن وحدیث کی تعلیمات نے ماں باپ کو انسانی رشتوں میں بہت بلند مقام عطا کرتے ہوئے ''اعلان'' کیا ہے کہ: ماں کے قدموں کے نیچے'' جنت'' ہے۔ باپ جنت کے دروازوں میں ''بہترین دروازہ'' ہے۔

آپ صلعم نے فرمایا کہ میری ماں زندہ ہوتی اور وہ مجھے آواز دیتی اگر میں نماز میں ہوتا تب نماز توڑ کر ماں کے پاس تشریف لیجاتا۔ باپ کی دعا اللہ تک ''راست'' پہونچتی ہے جس طرح انبیاء اور اللہ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوتا۔ ضعیف ماں باپ پر جتنی بار نظر ڈالینگے اتنی بار ''حج'' کرنے کا ثواب ملے گا۔

اولاد کی آمدنی کا ''بہترین خرچ'' ماں باپ پر خرچ کرنا ہے۔ اولاد اپنی ضعیف ماں کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر کعبۃ اللہ کا طواف کرے تب بھی حمل کے دوران کی ''ایک وقت کی تکلیف'' کا حق ادا نہیں کرسکتی۔ اپنے ماں باپ کو ''اف'' تک نہ کہو جھڑکیاں تو بہت دور کی بات ہے۔ اپنے باپ کے آگے ''سینہ جھکا کر'' کھڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہدایت دی کہ میری عبادت کرو: کسی اور کو میرے ساتھ شریک مت کرواور اپنے ''ماں باپ'' کے ساتھ ''حسن سلوک'' کرو۔ سبحان اللہ۔

کیا'' آج کی اولاد'' خاص کر اپنے ''ضعیف ماں باپ'' کی خدمت کررہی ہے یا پھر انہیں ''دور جدید'' کے'' اولڈ ایج ہوم'' کے حوالہ کرکے دنیا پر'' اللہ تعالیٰ'' کے'' غصہ و قہر'' کو کبھی ہوائی طوفان و شدید بارش سے تباہی تو کبھی ملکوں کے درمیان آپسی طاقت کے مظاہرہ کے لیے جنگ کرنے پر تو کبھی مذہب کی بنیاد پر انسانی تعصب وخون خرابہ کو رونما ہونے پر تو کبھی اندرون ملک یا ریاست میں جمہوری یا بادشاہی طاقت کی بنیاد پر سیاسی۔ معاشی اور سماجی ''ظلم'' برپا کرنے کا موقع تو فراہم نہیں کررہی ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا بھر کی اولاد کو اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی توفیق دے، آمین۔

''یہ سوچ کر ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوں =
اس پیڑ کا سایہ میرے بچوں کو ملے گا''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دنیا بھر کی اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ ''اچھا سلوک'' کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں سکون اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنیکی توفیق عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

جمعیۃ علماء تلنگانہ کے صدر الحاج حافظ پیر شبیر احمدؒ کی وفات حسرت آیات پر

جمعیۃ علماء ہند کا تعزیتی پیغام

نئی دہلی 19 / اکتوبر: جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا محمود اسعد مدنی اور ناظمِ عمومی مولانا محمد حکیم الدین قاسمی نے جمعیۃ علماء تلنگانہ کے صدر الحاج حافظ پیر شبیر احمدؒ کے انتقالِ پر ملال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ مرحوم طویل عرصے سے جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے مؤقر رکن اور 1993 سے لگاتار جمعیۃ علماء آندھرا پردیش و تلنگانہ کے فعال و متحرک صدر رہے۔ وہ جمعیۃ کے ان سرگرم اور مخلص سپاہیوں میں سے تھے جنہوں نے جنوبی ہند میں جمعیۃ کے نظریات کے فروغ اور اس کی اکائیوں کی تنظیم و توسیع میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نیز اصلاح معاشرہ، فتنہ ارتداد کی سرکوبی، تحفظ عقیدہ ختم نبوت، ہندو مسلم اتحاد، ریلیف و باز آبادکاری کے میدان میں ان کی بیش بہا خدمات ہیں۔

ان کی حیات مستعار کا ایک روشن باب ریاستِ آندھرا پردیش میں مسلمانوں کے لیے تعلیم اور ملازمت کے میدانوں میں ریزرویشن کے حصول سے وابستہ ہے۔ یہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں جمعیۃ علماء ہند کے دیرینہ مطالبے کی عملی تعبیر ہے۔ اگرچہ بعد میں ہائی کورٹ نے اس پر حکمِ امتناعی صادر کیا، لیکن جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے سپریم کورٹ میں کی گئی آئینی پیروی کے سبب یہ کوٹہ آج بھی برقرار ہے۔ اس کے نتیجے میں ہنوز تیس لاکھ سے زائد مسلم نوجوان ملازمت اور تعلیم کے میدان میں مستفید ہو چکے ہیں۔ وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسنُ الثَّوَابِ

حافظ صاحب نے سیاسی و سماجی میدان میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ وہ کانگریس پارٹی کی جانب سے ایم ایل سی اور حج کمیٹی کے چیئرمین رہے، اور ان حیثیتوں میں بھی ملتِ اسلامیہ کی خدمت کو اپنا مشن بنائے رکھا۔ اگرچہ وہ طویل عرصہ سے علیل تھے، لیکن بیماری کے باوجود انہوں نے جمعیۃ علماء ہند اور اس کے نصب العین کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ ان کی پوری زندگی خلوص و استقامت اور خدمتِ دین سے عبارت تھی۔ بلاشبہ جب ایسی شخصیت دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو ایک بڑا خلا پیدا ہوتا ہے۔ جمعیۃ علماء اس خلا کو شدت سے محسوس کر رہی ہے اور ان کے وصال کو ملت کے لیے نقصان عظیم تصور کرتی ہے۔

اس موقع پر صدر جمعیۃ علماء ہند نے مرحوم کے جملہ اہلِ خانہ، بالخصوص صا ادہ محترم حافظ پیر خلیق صابر ناظمِ اعلیٰ جمعیۃ علماء تلنگانہ، پیر ارشاد احمد اور پیر منیر احمد سمیت تمام لواحقین سے تعزیتِ مسنونہ پیش کی ہے اور صبر و استقامت کی دعا کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سب اس غم میں برابر کے شریک اور آپ کے مثل مستحقِ تعزیت ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے تمام احباب، وابستگان اور دینی اداروں کے ذمہ داران سے گزارش ہے کہ وہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا خصوصی اہتمام کریں۔ اللہ رب العزت اپنی عنایتوں سے حافظ صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ڈاکٹر عبدالقدوس، حسینی علم ڈگری کالج حیدرآباد

گورنمنٹ ڈگری کالج، حسینی علم میں یک روزہ قومی ورک شاپ کا کامیاب انعقاد

محمد صفی اللہ آئی ایف ایس، وی کرشنا۔ پروفیسر ایم اے نجیب اور پروفیسر عتیق اقبال اور ڈاکٹر نہال افروز کے خطابات

حیدرآباد ۲۳/ اکتوبر ۲۰۲۵ (راست) ڈاکٹر محمد انور الدین کنوینر و صدر شعبۂ اردو کی اطلاع کے بموجب یوم سرسید کے ضمن میں ''سرسید احمد خاں: عصر حاضر میں ان کے افکار کی اہمیت و معنویت'' کے موضوع پر مورخہ ۲۲ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو خورشید جاہ سیمینار ہال گورنمنٹ ڈگری کالج برائے نسواں حسینی علم حیدرآباد میں ایک روزہ قومی ورک شاپ کا انعقاد تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی کے مالی تعاون اور روزنامہ سیاست کے اشتراک سے عمل میں آیا جس کی صدارت پروفیسر سی ایچ اپیا چنما پرنسپل کالج ھذا نے فرمائی۔ ابتداء میں ڈاکٹر محمد انور الدین کنوینز اجلاس نے شعبہ کی کارکردگی اور یک روزہ قومی ورک شاپ کے انعقاد کے اغراض و مقاصد بیان کیے جبکہ ڈاکٹر سری دیوی آئی کیو اے سی کوآرڈینیٹر نے کالج کا تعارف پیش کیا اور ڈاکٹر پی لتا اکیڈمک کوآرڈینیٹر نے کالج کی کارکردگی کو پیش کیا۔ افتتاحی اجلاس میں محترم محمد صفی اللہ آئی ایف ایس ڈائریکٹر سیکریٹری تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی و ایگز آفیسر

تلنگانہ حج کمیٹی نے بحثیت مہمان خصوصی شرکت فرمائی جبکہ محترم وی کرشنا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی ، پروفیسر عتیق اقبال سابق پرنسپل اردو آرٹس ایوننگ کالج حمایت نگر و شریک معتمد انجمن ترقی اردو ریاست تلنگانہ و آندھرا پردیش نے بحثیت مہمان اعزازی شرکت فرمائی۔تکنیکی سیشن کی صدارت ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی حیدرآباد نے کی۔اس سیشن میں جن شخصیتوں نے سرسید احمد خاں: عصر حاضر میں ان کے افکار کی اہمیت و معنویت کے موضوع پر مباحثوں میں حصہ لیا ان میں ڈاکٹر محمد نہال افروز اسسٹنٹ پروفیسر اردو نظامت فاصلاتی تعلیم مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ سٹی کالج (خودمختار) نیاپل حیدرآباد، ڈاکٹر تجمل حسین جونیر لکچرر اردو، بازار گھاٹ اور بین الاقوامی شہرت یافتہ پروفیسر ایم اے نجیب کے علاوہ محترم جاوید شریف نے حصہ لیا۔اس موقع پر یوم سرسید کی نسبت اور میر انیس کے حوالے سے تمثیلی مرثیہ خوانی کا انعقاد عمل میں آیا،اس سے قبل کہ مرثیہ خواں اپنے ہنر کے جوہر دکھاتے شہر حیدرآباد کی نامور سماجی جہد کار محترمہ رفیعہ نوشین نے میر ببر علی انیس کا سیر حاصل تعارف پیش کیا۔اس پروگرام میں بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر شاہ نواز مرزا نے میر انیس کے منتخبہ مراثی سے انتخاب کرتے ہوئے تقریباً پانسو اشعار مختلف موضوعات کے تحت فی البدیع سنا کر ماحول کو گرماتے ہوئے حاضرین و ناظرین میں ایک سماع باندھ دیا۔یک روزہ قومی کارگاہ کے اختتامی اجلاس میں پروفیسر سی ایچ اپیا چلنما پرنسپل کالج ھذا نے صدارت کی جبکہ ڈاکٹر ایم اے نجیب، ڈاکٹر محمد غوث، پروفیسر ذوالفقار محی الدین صدیقی ،محترمہ رفیعہ نوشین، ڈاکٹر مختار احمد فردین اور محترم شاہ نواز مرزا نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک روزہ قومی ورک شاپ کے کامیاب انعقاد پر شعبۂ اردو کو مبارکباد دی ۔اس موقع پر تمام مندوبین کی شال پوشی و گل پیشی کے ہمراہ تحائف عطا کیے گئے دریں اثنا آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی فار پیس حیدرآباد کی جانب سے جملہ دس شخصیتوں کو اردو انمول رتن ایوارڈ برائے سال ۲۰۲۵ سے سرفراز کیا گیا جن میں پروفیسر عتیق اقبال شریک معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش و تلنگانہ، پروفیسر ذوالفقار محی الدین صدیقی صدر شعبۂ عربک کالج ھذا ،محترم شاہ نواز مرزا ماہر انیسیات، جناب جاوید شریف ،محترم شکیل احمد کے علاوہ ڈاکٹر ممتاز جہاں ادا کو باوقار ایوارڈ سے نوازا گیا مستزاد شولا پور سے تشریف لانے والے سماجی جہد کار محترم سلطان اختر ،ناندیڑ سے تشریف لانے والے ارشاد احمد خاں وپربھنی سے تشریف لانے والے پروفیسر نورالامین کے علاوہ بیجاپور کرناٹک سے تشریف لانے والے ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی کو بھی انمون رتن ایوارڈ تفویض کیے گئے۔اس پروگرام کا اختتام یک سالہ اردو ڈپلوما کورس قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے تعلیمی سال ۲۰۲۴-۲۵ کے اسناد کی تقسیم عمل میں آئی۔مذکورہ بالا تینوں اجلاس کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر ممتاز جہاں ادا لکچرر اردو نے بحسن وخوبی انجام دیئے۔اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدوس آرگنائزنگ سکریٹری کے اظہار تشکر پر یک روزہ قومی ورک شاپ اختتام کو پہنچا۔ طالبات ،اولیائے طالبات اور دیگر معزز مہمانوں کی موجودگی سے خورشید جاہ سیمینار ہال امنی کا شکوہ کررہا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

ہر طالب علم کو الصادق الامین ہونا چاہیے

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیرِ انتظام مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادی عمر شاہین نگر حیدرآباد میں ایک تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا، معروف ماہر تعلیم جناب خلیل احمد صاحب سابق استاد جدہ اسکول نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کا رب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لیے رحمت ہیں ان کے خاص وصف الصادق، الامین کو اپنی زندگی میں شامل کریں اور خوب محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کریں کیونکہ یہ دور علم و ہنر کا دور ہے ترقی کا دارومدار اسی میں منحصر ہے۔ شبلی انٹرنیشل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی خدمات پر اطمینان کا اظہار کیا اور ہر ممکنہ کا تعاون دینے کا وعدہ کیا جزاک اللہ خیرا۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے چیرمین ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد نے مہمان کا تعارف اور شکریہ ادا کیا اور ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کی چند اہم شمارے خدمت میں پیش کیے گئے۔

تصویر میں مہمان مکرم جناب خلیل احمد صاحب، مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد، حافظ رحمت اللہ صاحب، حافظ مولانا محمود صاحب اور محمد مصادق ہلال اساتذہ مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد۔

مسجد عالیہ کی دینی محافل کی طرز پر دیگر مساجد میں پروگرامس کے انعقاد پر زور

شریعت انفارمیشن سروس کی ہزارویں خصوصی نشست، جناب غلام یزدانی و دیگر مقررین کا خطاب

حیدرآباد، 28/ اکتوبر (ایس این بی) جامع مسجد عالیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ مسجد ایک اسلامی مرکز کی حیثیت سے اپنی انفرادی خصوصیت رکھتی ہے۔ یہاں منعقد ہونے والی دینی محافل سے ملک اور بیرون ملک کے کئی دانشوروں نے خطاب کیا ہے۔ ۲۸ سال سے جاری

ان علمی محافل نے عامتہ الناس میں اقبال شناسی، تاریخ اسلام سے واقفیت اور شرعی امور سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ 8/ اکٹوبر 1997 کو پہلی اقبال شناسی کی محفل منعقد ہوئی۔ جناب محمد ظہیر الدین مرحوم نے پہلا لکچر دیا۔ اقبال شناسی کی اب تک 1225 محافل ہو چکی ہیں۔ مئی 2000 میں تاریخ اسلام لکچرس کا آغاز ہوا۔ جناب شاہد حکیم مرحوم نے پہلا لکچر دیا۔ تاریخ اسلام کی اب تک 1109 نشستیں ہو چکی ہیں۔ تیسری محفل شریعت انفارمیشن سروس کا آغاز 23 سال پہلے ہوا۔ اب تک اس کی ایک ہزار نشستیں منعقد ہو چکی ہیں۔ الحمدللہ یہ ساری محفلیں بلا کسی کی تعطل کے جاری ہیں اور امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری و ساری رہیگا۔ جناب غلام یزدانی، سنئیر ایڈوکیٹ کنوینر دینی محافل و صدر انتظامی کمیٹی جامع مسجد عالیہ نے کل شام کانفرنس ہال، جامع مسجد عالیہ، گن فونڈری میں شریعت انفارمیشن سروس کی 1000 ویں خصوصی نشست میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔ ان محافل کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ کئی احباب یوٹیوب پر بھی مقررین کی تقاریر کو سماعت کرتے ہیں۔ اس نوعیت کے پروگرام شہر اور اضلاع کی مساجد میں بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ اس موقع پر جناب ضیاالدین نیرؔ، جناب خواجہ ناصر الدین، جناب حامد محمد خان، ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد، حافظ رشاد الدین، ڈاکٹر متین الدین قادری،

پروفیسر راشد نسیم ندوی اور دیگر نے اظہار خیال کرتے ہوئے جناب غلام یزدانی اور ان کے رفقاء کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یزدانی صاحب نے جس خلوص اور جذبہ کے ساتھ ان محافل کا آغاز کیا تھا اس کے دوررس نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ یہ خود بہت بڑی بات ہے کہ ہر

ہفتہ پابندی کیساتھ یہ محافل منعقد ہو رہی ہیں۔ کوشش اس بات کی جائے کہ نوجوانوں کو اس جانب راغب کیا جائے۔ اس یادگار محفل میں جناب غلام یزدانی کو انتظامی کمیٹی اور ان کے چاہنے والوں کی جانب سے تہنیت پیش کرتے ہوئے ان کی شال پوشی کی گئی اور ان کی درازی عمر کیلئے دعا کی گئی۔ جو مقررین ان تینوں محافل کو مخاطب کرتے آرہے ہیں ان تمام کی شال پوشی کرتے ہوئے ان خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ ان میں جناب ضیا الدین نیرؔ، جناب خواجہ ناصر الدین، جناب حامد محمد خان، پروفیسر محمد عبدالمجید صدیقی، پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد، حافظ رشاد الدین، ڈاکٹر متین قادری، پروفیسر راشد نسیم ندوی، مفتی آصف ندوی، مولانا محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر ناظم علی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، جناب سلطان محی الدین و دیگر شامل ہیں۔ جناب جاوید یزدانی (فرزند جناب غلام یزدانی) اور جناب معز الدین ایڈوکیٹ نے بطور خاص اس محفل میں شرکت کرتے ہوئے کہا کہ ان محفلوں کو مزید بامقصد کیسے بنایا جائے اس پر بھی غور کیا جائے۔ جناب عظمت اللہ صدیقی نے پروگرام کی نظامت کی۔ جناب انور احمد، جناب طاہر علی، جناب شبیر احمد، جناب ضیاالدین، جناب محمد شمس الدین او دیگر اراکین نے انتظامات میں حصہ لیا۔ پروگرام میں شہر کی نمائندہ علمی شخصیتوں نے شرکت کی۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مدرسہ و مسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَنْ تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَہ۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جوقرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اورقرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیورعلم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرماکر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰھی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادئ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

NEW GAZALA SAREES

All kinds of Wedding Sarees, Suits & Sharara

Cell: +91 9700242388 / 7989348237

#23-2-241, Volta Hotel Lane, New Moghalpura, Hyderabad, T.S.

Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com

Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Shoe world

Estd. 1963

STYLISH & QUALITY FOOT WEAR

SHOE WORLD CIRCLE

Pathergatti, Hyderabad. Ph.: 040 24576852

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

October 2025 اکتوبر

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216
Rs. 30/-

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com